یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد اوّل

کتاب الایمان

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

دار الاشاعت

محمد سبحاں را صلائے عام دہ   از نبی آیے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں ——— جو "نبی امی" سیدنا حضرت محمد عربی (فداہ امی و ابی و روحی و قلبی) ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں

اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں

اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے

علم و تصور ہی کے راستے سے مجلسِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر

آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمۂ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی

اس کتاب میں حدیثیں عام طور سے مشکوٰۃ شریف ہی سے لی گئی ہیں۔ صرف چند حدیثیں (شروع کے ۹۰ صفحات کے اندر) ایسی آگئی ہیں جو مشکوٰۃ سے نہیں لی گئی ہیں بلکہ براہ راست ان کتابوں سے لی گئی ہیں جن سے ان کی تخریج کی گئی ہے۔ پس اس کتاب کی جو حدیث مشکوٰۃ میں نہ پائی جائے یا مشکوٰۃ کی مندرجہ کسی حدیث اور اس کتاب کی منقولہ حدیث کے الفاظ میں کوئی فرق یا کمی بیشی ہو تو سمجھ لیا جائے کہ یہ اصل کتاب سے براہ راست نقل کی گئی ہے۔

ناظرین کی سہولت کیلئے حدیثوں کو عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں سے اکثر عنوان احادیث کا مطلب و مقصد سمجھنے میں بھی ناظرین کی بہت کچھ مدد کرنے والے ہیں۔

کتاب چونکہ عام تعلیم یافتہ اردو خواں مسلمانوں کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے حدیثوں کی ترتیب میں بھی بجائے درجۂ روایت اور مرتبۂ صحت کے اس کا لحاظ کیا گیا ہے کہ حدیثوں کا مقصد و مدعا سمجھنے میں ناظرین کو ترتیب سے بھی مدد ملے۔ تاہم حدیث کی کسی کتاب کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ کتاب کے مرتب کرنے والے نے جس ترتیب سے حدیثوں کو درج کیا ہے وہ اس کی اپنی صوابدید ہے، ورنہ ہر حدیث بجائے خود ایک مستقل اکائی ہے اور ہو سکتا ہے کہ حدیث کی کسی کتاب کے ایک ہی صفحہ پر اور ایک ہی عنوان کے تحت یکے بعد دیگرے درج ہونے والی دو حدیثوں میں سے ایک زمانہ نبوت کے بالکل شروع کی ہو اور دوسری رسول اللہ ﷺ کے آخری زمانۂ حیات کی ہو۔

اسی طرح حدیث کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ زیادہ تر احادیث کی حیثیت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مجلسی ارشادات اور افادات ہیں یا آپ کے سامنے پیش ہونے والے سوالات کے جوابات ہیں یا کسی وقتی مسئلہ سے متعلق ہدایات اور تنبیہات ہیں۔ اس لئے اس موقع و محل اور مخاطبین کے احوال و خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر ان کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر احادیث کی اس حیثیت کو پیش نظر نہ رکھا جائے اور مصنفین کی لکھی ہوئی کتابوں کی طرح ان پر بھی غور کیا جائے تو طرح طرح کی الجھنیں اور کھٹک پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر یہ نکتہ ملحوظ رکھا جائے گا تو ان شاء اللہ کوئی الجھن اور کوئی وسوسہ پیدا نہ ہوگا۔

چونکہ اس تالیف کا اصل مقصد رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم و ہدایت کو جو ذخیرۂ حدیث میں محفوظ ہے اس زمانہ کے عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کو پہنچانا اور سمجھانا اور ان کے لئے اتباع نبوی کی راہ آسان کرنا ہے اس لئے متن حدیث کے ترجمہ میں نحوی ترکیب اور لفظی ترجمہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے بلکہ حدیث کے مقصد و مفہوم کا واضح کرنا پیش نظر رکھا گیا ہے اور اس واسطے ترجمہ و تشریح میں زبان بھی حتی الوسع آسان استعمال کی گئی ہے۔

جن حدیثوں کے بارے میں کج فہمی سے کچھ غلط فہمیاں ہیں یا جن سے گمراہ کن لوگ ان کے ذریعہ مسلمانوں میں کچھ غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں ان کی تشریح میں ان کے ازالہ کی خصوصیت سے کوشش کی گئی ہے مثلاً بعض حدیثوں میں صرف "لا الٰہ الا اللہ" کہنے پر جنت کی بشارت دی گئی ہے یا کلمہ پڑھنے والے پر آتش دوزخ حرام ہونے کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ اسی طرح بعض حدیثوں میں ایسے شخص کی تکفیر سے

منع فرمایا گیا ہے جو مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتا ہو اور ان کے قبلہ کو اپنا قبلہ مانتا ہو، اور اس کے برعکس بعض حدیثوں میں بعض گناہوں کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ ان کا کرنے والا مسلمان ہی نہیں اور ایمان میں اس کا کوئی حصہ ہی نہیں ۔ الغرض اس طرح کی مشکل اور شرح طلب حدیثوں کی تشریح اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی خاص مدد سے ایسی ہو گئی ہے کہ ان شاء اللہ اس کے مطالعہ کے بعد کسی کے لئے مغالطہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔ الا یہ کہ کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور راست روی مقدر ہی نہ ہو اور اس کے واسطے کج روی ہی کا فیصلہ من جانب اللہ ہو چکا ہو۔

حدیث نمبر ۱ سے لے کر نمبر ۷۰ تک یعنی شروع کتاب سے صفحہ نمبر ۱۲۰ تک کسی عنوان کے تحت متن حدیث سے پہلے کوئی تمہیدی نوٹ نہیں لکھا گیا ہے نہ اس کی ضرورت سمجھی گئی ہے۔ لیکن آگے صفحہ ۱۲۱ سے آخر تک جو حدیثیں عالم برزخ، عذاب قبر اور قیامت و آخرت سے متعلق ہیں ان کی تفہیم کے لئے اصل حدیث سے پہلے جہاں جہاں تمہیدی اور تفہیمی نوٹ لکھنا ضروری معلوم ہوا ہے وہاں اس قسم کا نوٹ لکھ کر ناظرین کے ذہنوں کو صاف اور مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ برزخ، قیامت، صراط، میزان، حوض کوثر، شفاعت، جنت، دوزخ اور دیدار خداوندی سے متعلق جو مفصل تمہیدی نوٹ ان غیبی حقائق کے سلسلہ میں اصل حدیثوں کے درج کرنے سے پہلے لکھے گئے ہیں امید ہے کہ ناظرین کیلئے ان شاء اللہ وہ بہت زیادہ اطمینان اور ازدیاد ایمان کا باعث ہوں گے۔

آخری گزارش

اپنے با توفیق ناظرین سے یہ ہے

کہ حدیث کا مطالعہ خالص علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور عمل کرنے اور ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ کی عظمت و محبت کو دل میں حاضر و بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب و توجہ سے پڑھا جائے یا سنا جائے کہ گویا حضورؐ کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس کے انوار و برکات ان شاء اللہ نقد نصیب ہوں گے۔

آپ سب کی دعاؤں کا محتاج اور طلبگار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲۲ جمادی الاخری ۱۳۷۳ھ

مطابق ۲۶ فروری ۱۹۵۴ء

دین میں حدیث وسنت کا مقام

مقدمہ سے پہلے ان سطروں کو پڑھ لیجئے

جو نئی نئی گمراہیاں ہمارے اس زمانہ میں پیدا ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں نے جنکی آزادی پسند طبیعتوں کیلئے احکامِ شریعت کی پابندی سخت گراں اور شاق ہے یہ نعرہ لگانا شروع کیا ہے کہ ۔۔۔ دینی حجت بس قرآن ہی ہے۔ قرآن کے لانیوالے رسول کا کام بس قرآن پہنچا دینا تھا، اب ہمارا کام بس قرآنی احکام کی تعمیل کرنا ہے اور اس سے باہر اور اسکے علاوہ کوئی چیز حجت دینی نہیں ہے، حتیٰ کہ رسول کا قول و فعل بھی دینی حجت اور واجب الاتباع نہیں ہے یعنی احادیثِ نبوی اور اسوۂ حسنۂ رسالت پر کسی دینی مسئلہ اور کسی شرعی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ کسی ہستی کو اللہ کا نبی و رسول مان کر اس کی تعلیمات و ہدایات اور اس کے اسوۂ حسنہ کو دینی حجت اور واجب الاتباع نہ ماننا اس قدر مہمل اور ایسی غیر معقول بات ہے کہ اگر اس کے کہنے والے خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے ہوتے اور ان کی یہ باتیں خود ان سے نہ سنی ہوتیں تو اس کا یقین کرنا بھی دشوار ہوتا کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی ایسی مہمل بات بھی کہہ سکتا ہے ۔۔۔ مگر کیا کیا جائے کہ دنیا کے اس عجائب خانہ میں جہاں اور بہت سے عجائبات ہیں ان ہی میں سے ایک یہ عجوبہ بھی ہے کہ بظاہر عقل و حواس رکھنے والے کچھ لکھے پڑھے لوگ سمجھ میں نہ آسکنے والی یہ بات بھی پورے زور سے اور چیخ چیخ کے کہہ رہے ہیں۔

اس فتنہ کو اپنی غیر معقولیت کی وجہ سے آپ اپنی موت مر جانا چاہئے تھا لیکن چونکہ اقوامِ مغرب کی سیادت و قیادت کی وجہ سے ہمارے اس زمانہ کی ہوا آزادی پسندی اور آوارہ مزاجی کے لئے ہمیشہ سے زیادہ سازگار ہی ہوئی ہے اس لئے یہ فتنہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ کسی نہ کسی رفتار سے کچھ بڑھ ہی رہا ہے۔ معارف الحدیث جو ذخیرۂ احادیث نبوی کا ایک انتخاب ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ کی احادیث اور تعلیمات و ہدایات کو اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ اردو خواں طبقہ تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے مناسب سمجھا گیا کہ اس کے مقدمہ میں اس مسئلہ پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے اس کے لئے ناچیز مؤلف نے اپنے علمی محسن اور استاذ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی سے استدعا کی، ممدوح نے اس کو قبول فرمایا اور یہ مقدمہ تحریر فرمایا جو آئندہ صفحہ سے شروع ہو رہا ہے۔

سے لوگوں کو دکھادیا جس کی وجہ سے الفاظ قرآن کا مفہوم بھی متعین ہو گیا اور جس بات کا حکم ہوا ہے اس کا عملی نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ مثلاً قرآن پاک میں اقامت صلوٰۃ کا تاکیدی حکم نازل ہوا اور اس کے ارکان اور بعض اجزائے ترکیبی (مثلاً قیام، رکوع، سجود، قرأت وغیرہ) کا ذکر بھی قرآن میں کیا گیا مگر ان اجزا کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ ادا کرنے کا بیان اور نماز کی پوری ترکیب اس میں کہیں ذکر نہیں کی گئی پس ان اجزا کو خاص ترکیب کے ساتھ باہم مربوط کر کے نماز قائم کرنے کی ایک خاص شکل آنحضرت ﷺ کے عمل سے متعین ہوئی۔

قرآن پاک میں "أقيموا الصلوة" کا حکم دیکھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہونا ضروری ہے کہ اس حکم پر عمل کس طرح کیا جائے اور اقامت صلوٰۃ کا کیا طریقہ ہے؟ آنحضرت ﷺ کا ارشاد: "صلوا كما رأيتموني أصلي" تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو گویا اسی سوال کا جواب ہے۔

نیز حکم "أقيموا الصلوة" کی اس عملی تشریح کے علاوہ بھی آپ نے اقامت صلوٰۃ کی ترکیب زبانی بھی ارشاد فرمائی ہے۔

اسی طرح مثلاً قرآن پاک میں حج کو فرض قرار دیا گیا مگر حج کا طریقہ اور ترتیب وار اس کے ارکان و مناسک نہیں بیان کئے گئے تو آنحضرت ﷺ نے حج کر کے دکھا دیا کہ اس طرح اس فریضہ کی بجا آوری ہونی چاہئے اور اسی لئے کہ قرآن کی تشریح و تعیین صرف آپ ہی کے قول یا عمل سے ہو سکتی ہے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں جہاں سارے حجاج تھے اعلان فرمایا:

خذوا عني مناسككم لعلي لا أراكم بعد عامي هذا لوگو! مجھ سے حج کے مناسک مجھ سے سیکھ لو شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھوں

پھر قولی تشریح کی بھی دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ قرآن پاک کی کسی آیت کا ذکر یا اس کی طرف اشارہ کر کے اس کی تفسیر یا اس سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے اس کو بیان فرماتے تھے اور دوسری صورت یہ تھی کہ اپنے وہبی علم اور فہم مخصوص کی بنا پر جو استنباط و استفادہ آپ نے قرآن کریم سے کیا اس کو آیت کا حوالہ دیئے اور اس کی طرف اشارہ کئے بغیر بیان کر دیتے تھے۔

پہلی صورت کی کثیر التعداد مثالوں میں سے صرف تین مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت نوح کو حق تعالیٰ پکارے گا وہ کہیں گے، "لبيك وسعديك يا رب" خدا پوچھے گا تم نے ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ جواب دیں گے ہاں! اس کے بعد ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے پاس نوح نے ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تب خدائے تعالیٰ حضرت نوح سے مخاطب ہو گا کہ تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت۔ اسکے بعد امت محمد یہ گواہی دے گی کہ حضرت نوح نے پیغام پہنچایا تھا اور امت کی گواہی کی تصدیق رسول کرے گا (یعنی میں کروں گا) آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد: "وكذلك جعلناكم أمة وسطا لتكونوا شهداء على

الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا میں یہی بیان ہے۔

(البخاری، کتاب التفسیر)

۲) حضرت عدی بن حاتمؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ الخیط الابیض اور الخیط الاسود سے دو دھاگے مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا "لا بل سواد اللیل وبیاض النہار" نہیں بلکہ رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔ (البخاری، کتاب التفسیر)

۳) حدیبیہ کے سفر میں حضرت کعب بن عجرہؓ کے سر میں بے انتہا جوئیں پڑ گئیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اتنی تکلیف و مشقت میں مبتلا ہو گئے ہو، کیا ایک بکری تم پا سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ اچھا سر منڈوا ڈالو اور تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو فی مسکین ایک صاع کے حساب سے صدقہ دیدو۔ (البخاری، کتاب التفسیر)

اس واقعہ میں بظاہر آیت کا حوالہ یا اشارہ نہیں ہے مگر "فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک" کا نزول چونکہ اسی واقعہ میں ہوا ہے اس لئے ہم نے اس مثال کو بھی اسی ضمن میں ذکر کیا۔

قرآن پاک کی قولی تشریح کی دوسری صورت میں احادیث نبویہ کا اکثر حصہ یا ان کی بہت بڑی تعداد داخل ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ایسی حدیثوں کا قرآنی ماخذ اپنے علم و عقل کی کوتاہی اور قصور فہم کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہ آئے لیکن ایسی حدیثوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جن کا قرآنی ماخذ تھوڑی سی توجہ اور تامل سے سمجھ میں آجاتا ہے کم از کم دو مثالیں ناظرین اس کی بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱) رسول خدا ﷺ کا ایک ارشاد ہے:

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ

تم میں سے کوئی اس وقت تک صاحب ایمان نہ ہو گا جب تک کہ اس کی خواہش اور رجحان اس تعلیم و ہدایت کا تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں۔

اس کی نسبت بہت آسانی سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ارشاد قرآن کی حسب ذیل آیتوں سے مستفاد ہے

فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما (النساء ۴:۶۵)

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پائیں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (احزاب ۳۳:۳۶)

اور کام نہیں کسی ایمان والے مرد کا اور نہ ایمان والی عورت کا جبکہ فیصلہ کر دیں اللہ اور اسکا رسول کسی معاملہ کا یہ کہ انکو رہے اختیار اپنے اس معاملہ میں (یعنی اللہ و رسول کے حکم کے بعد ایمان والوں کا کام صرف تسلیم و اطاعت ہے اس کے سوا کچھ نہیں)

۲) اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے

مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهٗ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا

جو شخص زاد راہ اور ایسی سواری پائے جو اسکو بیت اللہ تک پہنچا دے پھر بغیر حج کئے مر جائے تو اس پر کچھ مشکل نہیں کہ یہودی ہو کر مر جائے یا نصرانی ہو کر۔

(رواہ الترمذی عن علی ورواہ الدارمی عن ابی امامۃ)

اس کی نسبت خود ترمذی کی روایت میں اشارہ موجود ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ سے مستنبط ہے مگر روایت میں چونکہ پوری آیت مذکور نہیں ہے اس لئے بہت سے لوگوں کو وجہ استنباط سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے، پوری آیت سامنے ہو تو اس کے آخری حصے سے صاف وہ تہدید مفہوم ہوتی ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔ پوری آیت یوں ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران ۳:۹۷)

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا بیت اللہ کا ان پر جو استطاعت رکھتے ہوں اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو کوئی کفر کا طریقہ اختیار کرے تو پھر اللہ پروا نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔

اس قسم کی اور بھی کثیر التعداد مثالیں پیش ہو سکتی ہیں، مگر اس وقت چونکہ ہمارا موضوع بحث یہ نہیں ہے اس لئے ان ہی دو مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ احادیث نبویہ کا اکثر حصہ قرآن پاک کی تشریح یا تفصیل یا اس سے استنباط ہے جو يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ اور لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ جیسے نصوص کے بموجب آنحضرت ﷺ کے فرائض رسالت میں داخل ہے اور یہی قرآنی نصوص و بینات ہم کو یہ بھی بتلاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ تشریحات و تفریعات اور استنباطات بھی واجب القبول اور واجب الاتباع ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم کی بیان کی ہوئی ایک اور حقیقت پر غور کیجئے۔

تعلیم حکمت

قرآن کریم نے تعلیم کتاب کیساتھ تعلیم حکمت بھی آنحضرت ﷺ کا ایک فریضہ بتایا ہے، یہ حکمت کیا چیز ہے؟! اسکو سمجھنے کیلئے فکر صحیح اور فہم سلیم کی ضرورت ہے۔ حکمت کی مراد معلوم کرنے کیلئے سب سے

کتاب و سنت کے انہیں نصوص کی بناء پر تمام ائمہ و علمائے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ **الکتاب والحکمۃ** اور اس طرح کی دوسری آیات میں جو حکمت کا لفظ وارد ہوا ہے اس سے مراد سنت ہی ہے اور سنت بھی وحی الہٰی کی ایک قسم ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں:

ان اللہ سُبْحَانَہٗ وتعالیٰ "انزل علی رَسُوْلِہٖ وحیین واَوْجب علی عبادِہٖ الایمانَ بهما والعمل بما فیها وهما الکتب والحکمة" وقال تعالیٰ "وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمة" وقال تعالیٰ "هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة" وقال تعالیٰ "واذکرن مایتلیٰ علیکن فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمة. والکتاب هو القران والحکمة هی السنة باتفاق السلف وما اخبر الرسول عن اللہ فهو فی وجوب تصدیقه والایمان به کما اخبر به الرب تعالیٰ علیٰ لسان رسوله هذا اصل متفق علیه بین اهل الاسلام، لا ینکره الامن لیس منهم وقد قال النبی ﷺ انی اوتیت الکتاب ومثله معه۔ (ص ۹۲)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول پر دو قسم کی وحی نازل کی اور دونوں پر ایمان لانا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا اور وہ دونوں قرآن اور حکمت ہیں (اس کے بعد علامہ نے اس دعویٰ کے ثبوت میں وہی قرآنی آیات درج کی ہیں جو پہلے پیش کی جا چکی ہیں جن میں کتاب و حکمت کی تنزیل و تعلیم کا ذکر ہے اور ان کو ذکر کرنے اور یاد رکھنے کا حکم ہے ان آیات کو درج کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں) کتاب تو قرآن ہے اور حکمت سے باجماع سلف سنت مراد ہے اور رسول نے اللہ سے پاکر جو خبر دی اور اللہ نے رسول کی زبان سے جو خبر دی دونوں واجب التصدیق ہونے میں یکساں ہیں یہ اہل اسلام کا بنیادی اور متفق علیہ مسئلہ ہے اس کا انکار وہی کرے گا جو ان میں سے نہیں ہے خود نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے کتاب دی گئی اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی (یعنی سنت)۔

اسوۂ رسول ﷺ

آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کی جو تشریح و تبیین فرمائی اور وہ حکمت جو آپ پر نازل کی گئی ہر مؤمن بالقرآن کیلئے ان دونوں کا واجب القبول ہونا آپ معلوم کر چکے ان دونوں کے علاوہ ایک تیسری چیز جس کی پیروی ہر مؤمن پر قرآن نے لازمی قرار دی ہے وہ ہے پوری اسلامی و مذہبی زندگی کا وہ نمونہ جو آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس میں جلوہ گر تھا۔ سورۂ احزاب میں ارشاد ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا (احزاب ۳۳ : ۲۱)

تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی چال رسول اللہ کی اس کے لئے جو امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا۔

کے بعد ہم نے اپنے معاملہ (مسئلہ جانشینی) میں غور و فکر کیا تو ہم نے یہ پایا کہ آنحضرت نے ابو بکر صدیقؓ کو اپنی زندگی میں نماز کیلئے آگے بڑھایا (یعنی امام مقرر کیا) تو جسکو آپ نے ہمارے دین کیلئے پسند کیا تھا ہم نے اس کو اپنی دنیا کیلئے بھی پسند کر لیا اور ابو بکر کو آگے بڑھایا (جانشین رسول منتخب کر لیا)۔

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں حضرت ابن مسعودؓ کا بیان مذکور ہے کہ آنحضرت کی وفات کے بعد انصار کی زبانوں پر یہ بات آئی کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم (مہاجرین) میں سے ہو، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے انصار کے پاس جاکر کہا اے گروہ انصار! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا کہ وہ لوگوں کی امامت کریں اگر جانتے ہو تو بتاؤ کہ کس کا دل گوارا کرتا ہے کہ ابو بکرؓ سے آگے بڑھے، یہ سنتے ہی ساری آنکھیں کھل گئیں اور بول اٹھے

نَعُوذُ بِاللہِ اَنْ نَتَقَدَّمَ اَبَا بَکْرٍ — خدا کی پناہ ہم ابو بکرؓ کے آگے بڑھیں

یعنی حق بات سامنے آجانے کے بعد تمام انصار مطمئن ہوگئے اور بے چون و چرا اس کو تسلیم کر لیا۔

نیز اسی کتاب میں ہے کہ وفات نبوی کے بعد انصار کے مجمع میں حضرت ابو بکرؓ نے حضرت سعدؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ سعد! تم جانتے ہو تم بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت نے ایک بار فرمایا تھا قُرَیْشٌ وُلَاۃُ ھٰذَا الْاَمْرِ (اس امر کے والی قریش ہیں) حضرت سعدؓ بے تامل بولے کہ آپ نے سچ کہا، ہم وزیر و مشیر رہیں گے اور آپ لوگ امیر و والی (یعنی آنحضرتؐ کا قول یاد دلانے کے بعد ان حضرات نے خلافت کا خیال چھوڑ دیا)

وفات نبوی کے بعد دوسرا مرحلہ آپ کے دفن کا تھا اس میں اختلاف رائے تھا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے اس کا فیصلہ بھی حدیث نبوی سے ہوا۔

اسی کتاب اور دوسری بہت سی کتب (مثلاً تاریخ کامل ص ۲۲۵ ج ۳) میں ہے کہ جب یہ اختلاف رائے ہو تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ہر نبی اپنی اسی خواب گاہ کے نیچے مدفون ہوتا ہے جہاں اس کی روح قبض کی گئی ہو"۔ یہ سنتے ہی سارا اختلاف ختم ہو گیا اور باتفاق رائے آنحضرت اسی مقدس سرزمین میں جہاں آپ کی روح پاک قبض کی گئی تھی سپرد خاک کئے گئے۔

تاریخ اسلام کا ایک نہایت اہم واقعہ جمع قرآن کا واقعہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو جب یہ مشورہ دیا کہ پورا قرآن یکجا کر دیا جائے اور ابتداء سے انتہا تک یکجا لکھ کر ایک مصحف میں دو لوحوں کے درمیان محفوظ کر دیا جائے تو حضرت ابو بکرؓ ابتداء بار بار یہی فرماتے تھے کہ:

کَیْفَ اَفْعَلُ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللہِ — میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ نے نہیں کیا

پھر حضرت ابو بکر کو شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے حضرت زید بن ثابت کو بلا کر جمع قرآن کی اہم خدمت ان کے سپرد کرنا چاہی تو ابتداء میں ان کو بھی تامل ہوا اور وہ بھی بار بار یہی کہتے تھے کَیْفَ تَفْعَلَانِ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ... لیکن بعد میں اللہ نے ان کے سینہ کو بھی کھول دیا اور

اس التزام و احتیاط کے باوجود حدیث کے مجموعے قابل اعتبار نہیں ہیں، یہ کتنی عجیب اور کیسی ستم ظریفی ہے۔
علاوہ ازیں پختہ اور کھری سندوں کے ساتھ بھی حدیثوں کے نہ ماننے اور ان کو بے اعتبار کہنے کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہی تو ہے کہ کتب احادیث کے مصنفوں نے محض بے بنیاد باتوں کو بالکل جعلی اور فرضی سندوں کے ساتھ کتابوں میں درج کر دیا ہے۔

ان حضرات کو خالص علمی طور پر بھی تو سوچنا چاہیے کہ ایسا ممکن کیسے ہے؟ کیا جب احادیث کے یہ مجموعے لکھے گئے اس وقت دنیا میں ایک بھی صحیح قسم کا مسلمان نہیں تھا جو اس ساری جعل سازی اور افترا پردازی کا مقابلہ کرتا؟ یا تمام امت اس پر تکیہ ہی کر لیتی۔

مثال کے طور پر میں مؤطا کا نام لیتا ہوں۔ حدیث کا یہ مجموعہ بقول ابو طالب مکی ۱۳۰ھ یا ۱۴۰ھ کے بعد یعنی رسول خدا کی وفات کے ایک سو بیس یا ایک سو تیس برس بعد وجود میں آیا (مقدمہ تنویر الحوالک ص ۶) اور اس کے وجود میں آنے سے چند برس (تقریباً ۱۰ یا ۲۲ برس) پہلے تک آنحضرت کے دیدار و گفتار سے شرف اندوز ہونے والے اصحاب رسول اس دنیا میں موجود تھے اور ان لوگوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں جنہوں نے صحابۂ رسول کی صحبت کی سعادت پائی تھی اور بلاد اسلام مثلاً بلاد حجاز، شام، عراق اور مصر وغیرہ کا ذکر اس وقت چھوڑیے صرف مدینہ منورہ کو لیجئے جہاں یہ کتاب وجود میں آئی اسی میں اتنی کثرت سے تابعین (جنہوں نے صحابہ کی صحبت پائی تھی) موجود تھے جن کا شمار مشکل ہے۔ مثال کے طور پر چند نام سنئے:

۱۔ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ المتوفی ۱۳۲ھ — ۲۔ اسماعیل بن محمد بن سعد المتوفی ۱۳۴ھ
۳۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن المتوفی ۱۳۶ھ — ۴۔ زید بن اسلم المتوفی ۱۳۶ھ
۵۔ سالم بن ابی امیہ المتوفی ۱۲۹ھ — ۶۔ سعد بن اسحاق المتوفی بعد ۱۴۰ھ
۷۔ سعید بن ابی سعید المقبری المتوفی ۱۲۵ھ — ۸۔ سلمہ بن دینار المتوفی بعد ۱۴۰ھ
۹۔ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر المتوفی بعد ۱۴۰ھ — ۱۰۔ صالح بن کیسان المتوفی بعد ۱۴۰ھ
۱۱۔ صفوان بن سلیم المتوفی ۱۳۲ھ — ۱۲۔ عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن حزم المتوفی ۱۳۵ھ
۱۳۔ عبداللہ بن دینار المتوفی ۱۲۷ھ — ۱۴۔ ابو الزناد المتوفی ۱۳۰ھ
۱۵۔ عبد ربہ بن سعید المتوفی ۱۳۹ھ — ۱۶۔ محمد بن المنکدر المتوفی ۱۳۱ھ
۱۷۔ مخرمہ بن سلیمان المتوفی ۱۳۰ھ — ۱۸۔ موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ
۱۹۔ وہب بن کیسان المتوفی ۱۲۷ھ — ۲۰۔ یحییٰ بن سعید قاضی مدینہ المتوفی ۱۴۳ھ
۲۱۔ یزید بن رومان المتوفی ۱۳۰ھ — ۲۲۔ یزید بن عبداللہ بن لیثی المتوفی ۱۳۹ھ
۲۳۔ ہشام بن عروہ المتوفی ۱۴۶ھ — ۲۴۔ مسور بن رفاعہ المتوفی ۱۳۸ھ
۲۵۔ ابو حوالہ قاضی مدینہ المتوفی آخر ایام بنی امیہ (۱۳۲ھ)

علمی سلسلے کے علاوہ ترتیب زمانی کے لحاظ سے بھی تابعین کی حیثیت آنحضرت کی نسبت سے وہی

ان کے سوانح کو یاد رکھنے کا جذبہ فطری طور پر ہر قوم میں ہوتا ہے اور دنیا میں ہر زندہ قوم اپنے بزرگوں کے آثار، بہادروں کے کارناموں اور شاعروں کے کلام کو باقی اور محفوظ رکھنے کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لاتی ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلم قوم جو دنیا کی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ علم دوست اور سب سے زیادہ محاسن کمالات اور زرین خصوصیات کی حامل ہے، اس نے اور تو اور، خود اپنے پیغمبر و رسول ہی کی روایات اُنکے سیر و مغازی اور ان کے اخلاق و عادات کو نہ محفوظ رکھا ہو نہ دوسروں تک پہنچایا ہو، دنیا میں کون صاحب عقل ایسا کہہ سکتا ہے اور کون اس کو باور کر سکتا ہے؟!

قرآن مجید کی بہت سی آیات کا مطلب بھی روایات کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا

پھر اس بات پر بھی دھیان دینا چاہئے کہ اگر قرآن پاک کے علاوہ اور کوئی مستند ذریعہ معلومات نہ ہو اور احادیث و آثار کی روایات کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے تو خود قرآن پاک کی بہت سی آیات کا مفہوم و مطلب مبہم اور بڑی حد تک تشنہ رہ جائے گا، مثلاً قرآن پاک میں ہے

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (الاحزاب ۳۳: ۳۷)

پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی

کیا روایات کو یکسر نظر انداز کر دینے کے بعد قرآن مجید کے صرف ان الفاظ سے اس واقعہ کو پوری طرح سمجھا جا سکتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اور کیا صرف قرآن سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ زید کون تھے اور ان کی بی بی کون تھیں اور قصہ کیا پیش آیا تھا، یا مثلاً ارشاد ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۔ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى۔ (عبس)

تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس پر کہ آیا اس کے پاس نابینا اور تجھ کو کیا خبر شاید وہ سنورتا، یا پاک صاف ہوتا۔

بتایا جائے کیا صرف قرآن سے یہ پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ یہ آنے والے اعمیٰ کون تھے، اور وہ کون لوگ تھے جن کی طرف آنحضرت ﷺ ان کے آنے کے وقت متوجہ تھے؟

اسی طرح غزوۂ احزاب و حنین وغیرہ کے جن واقعات کا ذکر قرآن پاک میں ہے بتائیے کہ روایات کے سارے ذخیرہ کو نا معتبر قرار دے کر ان واقعات کی ضروری تفصیل بھی کہاں سے معلوم کی جائے یا مثلاً قرآن پاک میں ہے

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ (الانفال ۸: ۷)

اور جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے قبضہ میں آئیگی۔

کیا کوئی صرف قرآن سے یہ بتا سکتا ہے کہ یہ دو جماعتیں کون تھیں؟ اور اللہ جس وعدہ کو یہاں یاد دلا رہا ہے وہ وعدہ قرآن میں کہاں ہے؟! اگر قرآن میں نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ کوئی دوسری قسم کی وحی بھی

یہ کون تین شخص ہیں اور ان کا کیا قصہ تھا۔ اور کیوں ان کا معاملہ ملتوی رکھا گیا؟ کیا روایات کے بغیر یہ باتیں حل ہو سکتی ہیں؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۔ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَئُوهَا ۔

اور اتار دیا ان کو جو ان کے رفیق ہوئے تھے اہل کتاب میں سے ان کی گڑھیوں سے اور ڈالا ان کے دلوں میں رعب، کتنوں کو تم مارنے لگے اور کتنوں کو قید کیا، اور وارث کیا تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا اور ایک زمین کا جس پر نہیں ڈالے تم نے قدم۔

یہ مظاہرین کون تھے؟ اور ان کی زمین و جائیداد کہاں تھی؟ نیز وہ دوسری زمین جہاں مسلمانوں کے قدم نہیں پہنچے تھے مگر ان کے وارث ہوگئے کون سی تھی، کیا روایات سے قطع نظر کر کے ان باتوں کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

یہ صرف چند مثالیں بلا قصد استیعاب بیان کی گئی ہیں اس طرح کی ابھی بہت سی مثالیں ذکر کی جا سکتی ہیں، مقصود یہ ہے کہ روایات کا انکار کر دینے کے بعد قرآن کی مذکورہ بالا آیات کا واضح اور متعین مفہوم سمجھنا اور سمجھانا قریباً ناممکن ہے۔

الغرض جو شخص قرآن پاک کو اللہ کی کتاب مانے اور اس کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہر زمانہ کے اہل ایمان کے لئے ضروری سمجھے، اس کو احادیث و سیر کے اس ذخیرہ کو بھی ماننا پڑے گا جس کو پوری طرح جانچ پرکھ کے ائمہ محدثین و اہل سیر نے محفوظ کیا ہے، اور جس کے بہت بڑے حصے کی حیثیت قرآن کے ضروری توضیحی ضمیمہ کی ہے۔

حدیث و سنت کے مثبت احکام ہونے پر ایک اور قرآنی دلیل

یہاں پہنچ کر حدیث و سنت کے مثبت احکام ہونے پر ایک اور قرآنی دلیل ذہن میں آگئی اس کو بھی یہیں عرض کرتا ہوں۔

جو حضرات واقعۃً کسی علمی مغالطہ ہی کی وجہ سے یہ بات کہتے ہیں کہ دینی حجت بس قرآن ہی ہے اور قرآن کے سوا کسی اور ذریعہ سے شریعت کا کوئی حکم اور کوئی دینی مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا اور رسول کا کام بس قرآن پہنچا دینا ہی تھا، وہ اگر ایک طالب حق اور جویائے ہدایت کی طرح قرآن مجید ہی کو غور سے دیکھیں تو اس میں ان کو اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ بطور حکایت اور واقعہ کے یا کسی اور سلسلہ میں کسی دینی عمل کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل زمانہ نزول قرآن میں ایک دینی عمل کی حیثیت سے ہوتا تھا حالانکہ قرآن مجید میں کہیں اس عمل کا حکم نہیں دیا گیا، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اس کا حکم ان کو سنت کے ذریعہ دیا گیا تھا۔ ..... یہاں اس کی صرف دو تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن میں حکم ثابت بالسنت کے ذکر کی چند مثالیں

سورۂ توبہ میں رسول اللہ ﷺ کو منافقین کے جنازوں کی نماز پڑھنے سے ان لفظوں میں منع فرمایا گیا ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا (توبہ ۹: ۸۴)

ان میں سے جو کوئی مرے آپ کبھی اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نماز جنازہ شروع ہو چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ اموات کے جنازوں پر نماز پڑھا کرتے تھے، حالانکہ قرآن میں اس سے پہلے نازل ہونے والی کوئی آیت ایسی نہیں بتائی جا سکتی جس میں رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو جنازہ کی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو اس لئے ماننا پڑے گا کہ نماز جنازہ کا حکم سنت کے ذریعہ دیا گیا تھا۔

اسی طرح سورۂ جمعہ کی آیت وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا (جمعہ ۶۲: ۱۱) میں ایک حکایت اور شکایت کے ضمن میں جمعہ کے خطبہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور قطع نظر اس سے ہمارا خیال ہے کہ حدیث و سنت کے جو منکرین ہمارے مخاطب ہیں وہ غالباً اس کا انکار نہ کریں گے کہ خطبہ جمعہ ایک شرعی حکم اور دینی عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ خود دیا کرتے تھے اور امت میں اب تک اسی طرح متوارث ہے لیکن کوئی قرآنی آیت نہیں بتائی جا سکتی جس میں اس خطبہ کا حکم دیا گیا ہو، پس لازماً یہی ماننا پڑے گا کہ اس کا حکم سنت کے ذریعہ ملا تھا۔

علیٰ ہذا اپنے کو مسلمان کہنے والا کوئی آدمی بھی اس سے انکار نہیں کر سکے گا کہ نماز سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے وہ ایک دینی عمل ہے اور عہد نبوت سے لے کر اب تک متوارث ہے اور قرآن مجید میں بھی واقعہ کی حکایت کے طور پر ایک جگہ اس اذان کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً سورۂ مائدہ میں اسلام کے دشمن کافروں کی اس جہالت اور شرارت کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ "اذان کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کی نقل کر کے منہ چڑاتے ہیں" وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ (مائدہ ۵: ۵۸) اسی طرح سورۂ جمعہ میں ایک دوسرے حکم کے بیان کے سلسلہ میں جمعہ کی اذان کا ضمنی ذکر آیا ہے (إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ جمعہ ۶۲: ۹) بہر حال ان آیات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ عہد نبوی میں ان آیات کے نازل ہونے سے بھی پہلے سے اذان ایک دینی عمل کی حیثیت سے مروج تھی، اور قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں بتائی جا سکتی جس کے ذریعہ اذان کا حکم دیا گیا ہو اس لئے ماننا پڑے گا کہ اذان کا حکم قرآن کے ذریعے نہیں بلکہ سنت کے ذریعہ ملا تھا۔

اس کی مثالیں قرآن مجید سے اور بھی بہت سی پیش کی جا سکتی ہیں لیکن اس مقدمہ کے محدود صفحات میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

حدیث و سنت کے حجت دینی اور واجب الاتباع ہونے پر یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اگرچہ الحمد للہ ایک طالب حق شخص اس کے لیے وہ بھی بالکل کافی ہے لیکن آخر میں ایک اصولی بات عرض کر کے سلسلہ کلام ختم کیا جاتا ہے۔

رسول ﷺ کا صحیح مقام

ہمارے خیال میں حدیث و سنت کے منکرین کی اصل غلطی یہ ہے کہ انہوں نے رسول کی اصل حیثیت اور اس کے صحیح مقام کو نہیں سمجھا ہے، اگر وہ مقام نبوت کو سمجھنے اور نبی و رسول کی معرفت حاصل کرنے کے لئے صرف قرآن ہی میں تدبر کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت صرف ایک پیغامبر اور پیام رسان ہی کی نہیں ہے، بلکہ آپ مطاع، متبوع، امام، ہادی، قاضی، حاکم، حَکَم وغیرہ وغیرہ بھی ہیں اور قرآن ہی نے آپ کی ان حیثیتوں کو بھی بیان کیا ہے۔

(۱) رسول مطاع ہے اور اس کی اطاعت اہل ایمان پر فرض ہے۔

قرآن مجید میں جا بجا اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ۞

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ　　اللہ کی اطاعت کرو اور اسکے رسول کی اطاعت کرو

اس حکم میں "اطیعوا الرسول" کو "اطیعوا اللہ" سے الگ مستقل جملہ کی شکل میں قرآن مجید میں جس طرح مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے اس سے ہر وہ شخص جس کو عربی زبان کا کچھ بھی ذوق ہو یہی سمجھے گا کہ اللہ کی اطاعت کی طرح اہل ایمان پر رسول کی اطاعت بھی مستقلاً فرض ہے، یعنی اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کتاب رسول لائے ہیں اس کو مانا جائے اور اس کے حکموں پر چلا جائے کیونکہ اگر صرف اتنی ہی بات کہنی ہوتی تو یہ تو "اطیعوا اللہ" میں کہی جا چکی تھی پھر امر اطاعت کے مستقل اعادہ کے ساتھ "اطیعوا الرسول" کے اضافہ کی کیا ضرورت تھی۔

علاوہ ازیں خود قرآن مجید کی بعض دوسری آیات سے بھی یہ بات اور زیادہ صاف اور واضح ہو جاتی ہے۔ سورۂ نساء کے پانچویں رکوع کے آخر میں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دینے کے بعد ان منافقین کی مذمت کی گئی ہے جو اپنی غرض پرستی اور منافقت کی وجہ سے اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت میں کوتاہی کرتے تھے اسی سلسلۂ بیان میں ان کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا

(النساء: ٦١)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو اے رسول! تو دیکھے گا ان منافقوں کو کہ اعراض اور روگردانی کرتے ہیں تیری طرف سے۔

اس آیت میں "ما انزل اللہ" یعنی کتاب اللہ کی طرف بلانے کے ساتھ "رسول" کی طرف بلانے کا جس طرح ذکر کیا گیا ہے وہ اس بات کی نہایت روشن دلیل ہے کہ اوپر کی آیتوں میں اطاعتِ رسول کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے اس پر نازل ہونے والی کتاب کی اطاعت کرو بلکہ رسول کی اطاعت اس سے الگ اور مستقل چیز ہے۔

۞ النساء ع ۹، المائدہ ع ۱۲، النور ع ۷، محمد ع ۴، التغابن ع ۲

فی ہے اس سلسلہ کی ایک تازہ خدمت اور محنت ہے۔

مقدمہ کو ختم کرتے ہوئے کتاب پر کسی رسمی تبصرہ کے بجائے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسکو قبول فرمائے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع پہنچائے اور جو حصے ابھی باقی ہیں ان کی تکمیل کی مؤلف کو جلد توفیق عطا فرمائے۔

حبیب الرحمن الاعظمی

۱۹ جمادی الاخری ۱۳۷۳ھ

لکھنؤ

معارفُ الحدیث

جلد اوّل

کتابُ الایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۔ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ ، مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَاھْتَدٰی وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّہٗ لَا یَضُرُّ اِلَّا نَفْسَہٗ وَ سَیَجْزِی اللّٰہُ الشَّاکِرِیْنَ ۝

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

صرف وہی عمل قابل قبول ہے جو اللہ کیلئے ہو

(۱) **عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِءٍ مَا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔**

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ: "سب انسانی اعمال کا دارومدار بس نیتوں پر ہے اور آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے، تو جس شخص نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی (اور اللہ و رسول کی رضا جوئی و اطاعت کے سوا کسی ہجرت کا اور کوئی باعث نہ تھا) تو اس کی ہجرت درحقیقت اللہ و رسول ہی کی طرف ہوئی (اور بیشک وہ اللہ و رسول کا سچا مہاجر ہے اور اس کو اس ہجرت الی اللہ والرسول کا مقرر اجر ملے گا) اور جو کسی دنیوی غرض کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر مہاجر بنا تو (اس کی ہجرت اللہ و رسول کے لئے نہ ہوگی بلکہ) فی الواقع جس دوسری غرض اور نیت سے اس نے ہجرت اختیار کی ہے عند اللہ بس اسی کی طرف اس کی ہجرت مانی جائے گی۔

تشریح — حدیث کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے وہ خود مطلب خیز ہے اور نفس مفہوم کے بیان کیلئے اس کے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں، لیکن اس کی خصوصی اہمیت کا تقاضا ہے کہ اس کے مطالب و فوائد پر کچھ اور بھی لکھا جائے۔

حدیث کا اصل منشاء امت پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ تمام اعمال کے صلاح و فساد اور مقبولیت و مردودیت کا مدار نیت پر ہے، یعنی عمل صالح وہی ہوگا اور اسی کی اللہ کے یہاں قدر و قیمت ہوگی جو صالح نیت سے کیا گیا ہو۔ اور جو [illegible] کسی بری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو وہ صالح اور مقبول نہ ہوگا، بلکہ نیت کے مطابق فاسد اور مردود ہوگا، اگرچہ ظاہری نظر میں [illegible] ہی معلوم ہو۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ عمل کے ساتھ نیت کا اور ظاہر کے ساتھ باطن کا بھی دیکھنے والا ہے انکے یہاں ہر عمل کی قدر و قیمت عمل کرنے والے کی نیت کے حساب سے لگائی جائیگی۔

ایک غلط فہمی

کسی کو اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جب دارومدار نیت ہی پر ہو تو اگر برے کام بھی کسی اچھی نیت سے کئے جائیں تو وہ اعمال صالحہ ہو جائیں گے اور ان پر بھی ثواب ملے گا، مثلاً اگر کوئی شخص اس نیت سے چوری اور ڈاکہ زنی کرے کہ جو مال اس سے حاصل ہوگا اس سے وہ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرے گا تو وہ بھی ثواب کا مستحق ہو سکے گا۔

قرآن مجید میں مخلصوں اور غیر مخلصوں کی ایک مثال

قرآن پاک کی ذیل کی دو آیتوں میں صدقات و خیرات کرنے والے دو قسم کے آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک وہ لوگ جو محض دنیا کے دکھاوے کیلئے اپنا مال مصارف خیر میں صرف کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو محض اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی مدد کرتے ہیں، ان دونوں گروہوں کے ظاہری عمل میں قطعی یک رنگی ہے، اور ظاہر ہے کہ آنکھ ان کے درمیان کسی فرق کا حکم نہیں کر سکتی لیکن قرآن پاک بتاتا ہے کہ چونکہ ان کی نیتیں مختلف ہیں اسلئے ان دونوں کے عمل کے نتیجے بھی مختلف ہیں، ایک کا عمل سراسر برکت ہے اور دوسرے کا بالکل اکارت:

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ.

اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے پتھر کی ایک چٹان ہو جس پر کچھ مٹی آگئی ہو (اور اس پر کچھ سبزہ جم آئے) پھر اس پر زور دار بارش گرے جو اس کو بالکل صاف کر دے، تو ایسے ریاکار لوگ اپنی کمائی کا کچھ بھی پھل نہ لے سکیں گے اور ان منکر لوگوں کو اللہ اپنی ہدایت اور اس کے میٹھے پھل سے محروم رکھے گا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ.

اور ان لوگوں کی مثال جو محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور اپنے نفسوں کو ایثار و انفاق اور راہ خدا میں قربانی کا خوگر بنانے کے لئے اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس چھوٹے پھلنے والے باغ کی سی ہے جو کسی اونچی جگہ پر واقع ہو اس پر جب زوروں کی بارش ہو تو وہ دوگنا چوگنا پھل لائے۔

تو اگرچہ ان دونوں نے بظاہر یکساں طور پر اپنا مال غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں پر خرچ کیا، مگر چونکہ ایک کی نیت محض دکھاوے کی تھی اس لئے لوگوں کے دیکھ لینے یا زیادہ سے زیادہ ان کی وقتی داد و تحسین کے سوا اسکو کچھ حاصل نہ ہوا، کیونکہ اس کی غرض اس انفاق سے اس کے سوا کچھ اور تھی ہی نہیں ــــــ لیکن دوسرے نے چونکہ اس ایثار و انفاق سے صرف اللہ کی رضامندی اور اس کا فضل و کرم چاہا تھا اس لئے اللہ نے اس کو اس کی نیت کے مطابق پھل دیا۔

بس یہی وہ سنت اللہ اور قانون خداوندی ہے جس کا اعلان رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے۔

اس دنیا میں حکم ظاہر پر لگائے جاتے ہیں اور آخرت میں نیتوں پر کئے جائیں گے

یہ عالم جس میں ہم ہیں اور ہم کو جس میں کام کرنے کا موقع دیا گیا ہے [illegible] اور [illegible] ہے اور ہمارے حواس و ادراکات کا دائرہ بھی یہاں صرف ظاہر اور مظاہر ہی تک محدود ہے، یعنی یہاں ہم ہر شخص کا صرف

ظاہری چال چلن دیکھ کر ہی اسکے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اور اسی کی بنیاد پر اسکے ساتھ معاملہ کر سکتے ہیں، ظاہری اعمال پر سے انکی نیتوں، دل کے بھیدوں اور سینوں کے رازوں کے دریافت کرنے سے ہم قاصر ہیں اسی لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا نحن نحکم بالظاہر واللہ یتولی السرائر (یعنی ہمارا کام ظاہر پر حکم لگانا ہے اور مخفی راز اللہ کے سپرد ہیں) لیکن عالم آخرت میں فیصلہ کرنے والا اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہوگا اور وہاں اس کا فیصلہ نیتوں اور دل کے ارادوں کے لحاظ سے ہوگا، گویا احکام کے بارے میں جس طرح یہاں ظاہری اعمال اصل ہیں اور کسی کی نیت پر یہاں کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا، اسی طرح وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوگا، اور حق تعالیٰ کا فیصلہ نیتوں پر ہوگا، اور ظاہری اعمال کو ان کے تابع رکھا جائے گا۔

حدیث کی خصوصی اہمیت

یہ حدیث ان [illegible] میں سے یعنی رسول اللہ ﷺ کے ان مختصر مگر جامع اور وسیع المعنی ارشادات میں سے ہے جو مختصر ہونے کے باوجود دین کے کسی بڑے اہم حصہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں اور [illegible] کے مصداق ہیں۔ یہاں تک کہ بعض آئمہ نے کہا ہے کہ [illegible] کا ایک تہائی حصہ اس حدیث میں آگیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ان ائمہ نے فرمایا مبالغہ نہیں ہے بلکہ عین حقیقت ہے کیونکہ اصولی طور پر اسلام کے تین ہی شعبے ہیں۔ ایمان (یعنی اعتقادیات) اعمال اور اخلاص۔ چونکہ یہ حدیث اخلاص کے پورے شعبہ پر حاوی ہے اسلئے کہا جاتا ہے کہ اسلام کا ایک تہائی حصہ اس میں آگیا ہے۔ اور پھر اخلاص وہ چیز ہے جس کی ضرورت ہر کام میں اور ہر قدم پر ہے، خاص کر جب بندہ کوئی اچھا سا [illegible] شروع کرے خواہ وہ علمی ہو یا عملی تو وہ اسکا حاجتمند ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اسکے سامنے ہو، اسی لئے بعض اکابر نے اپنی مؤلفات کو اسی حدیث سے شروع کرنا بہتر سمجھا ہے چنانچہ امام بخاری نے اپنی [illegible] کو اور ان کے بعد امام بغوی نے [illegible] کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے، گویا اسی کو [illegible] بنایا ہے اور حافظ الحدیث ابن مہدی سے منقول ہے کہ جو شخص کوئی دینی کتاب تصنیف کرے اچھا ہو کہ وہ اسی حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز کرے (آگے فرمایا) اور اگر میں کوئی کتاب لکھوں تو اسکے ہر باب کو اسی حدیث سے شروع کروں گا۔

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اس ناچیز نے بھی اسی لئے اس حدیث پاک سے اپنی اس کتاب کا آغاز کیا ہے، اللہ تعالیٰ بخیر اتمام کی توفیق دے اور قبول فرمائے نیز اس ناچیز کو اور کتاب کے تمام ناظرین کو اخلاص و حسن نیت نصیب فرمائے۔

(اسکے بعد ایک خاص ترتیب سے وہ حدیثیں درج ہوں گی جن میں رسول اللہ ﷺ نے ایمان و اسلام کا یا ان کے ارکان اور شعبوں کا یا ان کے لوازم و ثمرات کا یا ان کے برکات و ثمرات کا یا انکے مفسدات و مناقضات کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے [illegible] درج کی جارہی ہے جو اصولی طور پر دین کے سارے شعبوں پر حاوی ہونے کی وجہ سے [illegible] کہی جاتی ہے)

اسلام، ایمان اور احسان

(حدیث جبرئیل)

۱۴ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ

دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو پر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا مجھے قیامت کی بابت بتلائیے (کہ وہ کب واقع ہوگی) آپ نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی۔ (اور دوسری نشانی یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے، اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں، وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے یہ نووارد شخص چلا گیا، پھر مجھے کچھ عرصہ گزر گیا، تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے عمر! کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ جبرئیل تھے، تمہاری اس مجلس میں اسلئے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھائیں۔

(یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے اور صحیح بخاری و مسلم میں یہی واقعہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی مروی ہے)

تشریح ..... اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے پانچ امور کا بیان فرمایا ہے، اسلام، دوسرے ایمان، تیسرے احسان، چوتھے قیامت کے متعلق انکا کہ اس کا وقت خاص اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں، اور پانچویں قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی بعض علامات ..... ان پانچوں چیزوں کے متعلق جو کچھ اس حدیث میں بیان فرمایا ہے وہ تشریح طلب ہے۔

(۱) اسلام ..... کے اصل معنی ہیں اپنے کو کسی کے سپرد کر دینا، اور بالکل اسی کے تابع فرمان ہو جانا، اور اللہ کے بھیجے ہوئے اور اس کے رسولوں کے لائے ہوئے دین کا نام اسلام اسی لئے ہے کہ اس میں بندہ اپنے آپ کو بالکل مولا کے سپرد کر دیتا ہے، اور اس کی مکمل اطاعت کو اپنا دستور زندگی قرار دے لیتا ہے، اور یہی اصل حقیقت "دین اسلام" کی اور اسی کا مطالبہ ہے ہم سے۔ فرمایا گیا "فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا" (الحج ۲۲:۳۴) (تمہارا اللہ وہی الہ واحد ہے، لہٰذا تم اسی کے "مسلم" یعنی مطیع ہو جاؤ) اور اسی اسلام کے متعلق فرمایا گیا ہے "وَمَنْ أَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ" (النساء ۴:۱۲۵) (اور اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور وہ اس طرح "مسلم" ہو گیا) اور اسی اسلام کے متعلق اعلان فرمایا گیا ہے "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ" (آل عمران ۳:۸۵) (یعنی جس نے "اسلام" کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہا تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا، اور وہ آدمی آخرت میں بڑے گھاٹے اور ٹوٹے والوں میں سے ہوگا) بہرحال "اسلام" کی اصل روح اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ اپنے کو کلی طور پر اللہ کے سپرد کر دے اور ہر پہلو سے اس کا مطیع فرمان بن جائے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں میں اس "اسلام" کے لئے کچھ مخصوص ارکان بھی ہوتے ہیں جن کی حیثیت اس "حقیقت اسلام" کے "پیکر محسوس" کی سی ہوتی ہے، اور اس حقیقت کا نشوونما اور اس کی

نماز کی بھی انہی سے ہوتی ہے، اور وہ صرف تعبدی امور ہوتے ہیں، اور ظاہری نظر انہی "ارکان" کے ذریعہ فرق و امتیاز کرتی ہے۔ ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے اپنا دستورِ حیات "اسلام" کو بنایا ہے، اور ان کے درمیان جنہوں نے نہیں بنایا۔

تو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "اسلام" کا جو آخری اور مکمل دستور ہمارے پاس آیا ہے اس میں توحید خداوندی اور رسالت محمدی کی شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بیت اللہ کو "ارکانِ اسلام" قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے "بنی الاسلام علی خمس" (یعنی اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر ہے)

بہر حال یہ پانچ چیزیں جن کو آپ نے یہاں اس حدیث میں "اسلام" کے جواب میں بیان فرمایا "ارکانِ اسلام" ہیں اور یہی گویا "اسلام" کے لئے "جزو محسوس" ہیں۔ اسے واسطے اس حدیث میں انہی کے ذریعہ اسلام کا تعارف کرایا گیا ہے۔

(۲) ایمان...... کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی بات کو حق ماننے کے ہیں[1] اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کے حدود سے ماوراء ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کر لیں۔ بہر حال شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امورِ غیب ہی سے ہوتا ہے جن کو ہم اپنے آلاتِ احساس و ادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے[2]۔ مثلاً اللہ اور اس کی صفات اور اس کے احکام اور رسولوں کی رسالت اور ان پر وحی کی آمد، اور مبداء و معاد کے متعلق ان کی اطلاعات، وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول نے بیان فرمائیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاحِ شریعت میں ایمان ہے، اور پیغمبر کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتی ہے۔[3] پس آدمی کے مومن ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ "کُلّ ما جاء به الرَّسُول من عند الله" کی (یعنی تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے) تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے...... لیکن ان سب چیزوں کی پوری

---

(۱) فی التنزیل وما انت بمؤمن لنا ولو کنا صادقین سورۂ یوسف: ۱۷

(۲) اسی واسطے "ایمان" کے ساتھ بالغیب کی قید بھی لگائی جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ یؤمنون بالغیب

(۳) جو لوگ اللہ کے کسی پیغمبر کی حیات مقدسہ میں براہ راست ان کی زبان سے ان کی ہدایت اور تعلیم سنیں ان کیلئے تو ان کی ہر اس بات کی تصدیق شرط ایمان ہے جو پیغمبر ان کے سامنے اللہ کی طرف سے بیان کریں۔ اگر وہ ان کی کسی ایک بات کا بھی انکار کریں گے تو مومن نہ رہیں گے لیکن جب پیغمبر اس دنیا میں نہ رہیں تو صرف ان باتوں کی تصدیق کرنا شرط ایمان ہے جن کا ثبوت ان پیغمبر سے ایسے یقینی قطعی اور بدیہی طریقے سے ہو جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دین کی ایسی تعلیمات کو خاص علمی اصطلاح میں ضروریاتِ دین کہتے ہیں، ان سب پر ایمان لانا شرط ایمان ہے، اگر ان میں سے کسی کا بھی کوئی انکار کرے تو مومن نہیں رہے گا اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اسلام سے اس کا رشتہ کٹ جائیگا۔ ۱۲

تفصیل معلوم ہونی ضروری نہیں ہے، بلکہ نفس ایمان کے لئے یہ اجمالی تصدیق بھی کافی ہے، البتہ بعض خاص اہم اور بنیادی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ایمانی دائرہ میں آنے کے لئے ان کی تصدیق تعیین کے ساتھ ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث زیر تشریح میں ایمان سے متعلق سوال کے جواب میں جن امور کا ذکر فرمایا گیا ہے (یعنی اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابیں، اللہ کے رسول، روز قیامت اور ہر خیر و شر کی تقدیر) تو ایمانیات میں سے یہی وہی اہم اور بنیادی امور ہیں جن پر تعیین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے، اور اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے ان کا ذکر صراحۃً اور تعیین کے ساتھ فرمایا، اور قرآن پاک میں بھی یہ ایمانی امور اسی تفصیل اور تعیین کے ساتھ مذکور ہیں۔ سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں ارشاد ہے:

آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ۔ [1]
(بقرہ ۲: ۲۸۵)

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا۔ [2]
(نساء ۴: ۱۳۶)

ان امور ششگانہ میں سے ... کا ذکر قرآن پاک میں اگرچہ ان ایمانیات کے ساتھ ان آیات میں نہیں آیا ہے، لیکن دوسرے موقع پر قرآن پاک نے اس کو بھی صراحۃً بیان فرمایا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ [3] (نساء ۴: ۷۸)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

"فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا الآية" [4] (انعام ۶: ۱۲۵)

اب مختصراً یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ ان سب پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

سو اللہ پر ایمان لانے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے موجود، وحدہٗ لا شریک، خالق کائنات اور رب العالمین ہونے کا یقین کیا جائے، عیب و نقص کی ہر بات سے پاک اور ہر صفت کمال سے اس کو متصف سمجھا جائے۔

اور ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ مخلوقات میں ایک مستقل نوع کی حیثیت سے ان کے وجود کو حق مانا

---

[1] رسول پر جو ہدایت اور تعلیم نازل ہوئی خود رسول کا بھی اس پر ایمان ہے اور سب مومنوں کا بھی، یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر۔۱۲

[2] جو بھی اللہ اور اسکے ملائکہ اسکی کتابوں اور اسکے رسولوں اور یوم آخرت سے کفر کرے یعنی ان پر ایمان نہ لائے وہ بہت ہی دور گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔۱۲

[3] اے پیغمبر! آپ اعلان فرما دیجئے کہ ہر چیز خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہے۔۱۲

[4] اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے ... کے ماننے اور قبول کرنے کے لئے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جس کے متعلق اس کا فیصلہ ضلالت کا ہو تو اس کے سینے کو بھینچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے۔۱۲

جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ کی ایک پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ[1] (الانبیاء: ۲۶) جس میں شر اور شرارت اور عصیان و بغاوت کا عنصر ہی نہیں بلکہ ان کا کام صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے (لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ[2] (التحریم: ۶)) ان کے متعلق کام ہیں اور ان کی ڈیوٹیاں (فرائض) ہیں جن کو وہ خوبی سے انجام دیتے ہیں۔

ملائکہ کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب

ملائکہ کے وجود پر یہ شبہ کہ اگر وہ موجود ہوتے تو نظر آتے سخت جاہلانہ شبہ ہے۔ دنیا میں کتنی ہی چیزیں ہیں جو باوجود موجود ہونے کے ہم کو نظر نہیں آتیں، کیا زمانۂ حال کی خوردبینوں کی ایجاد سے پہلے کسی نے پانی میں، ہوا میں اور خون کے قطرہ میں وہ جراثیم دیکھے تھے جن کو خوردبین سے آج ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے اور کیا کسی آلہ سے بھی ہم اپنی روح کو دیکھ پاتے ہیں۔ تو جس طرح ہماری آنکھ خود اپنی روح کو دیکھنے سے اور بغیر خوردبین کے پانی وغیرہ کے جراثیم دیکھنے سے عاجز ہے اسی طرح فرشتوں کو دیکھنے سے بھی وہ قاصر ہے ۔۔۔ اور پھر کیا کسی کوئی دلیل ہے کہ جس چیز کو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے وہ موجود نہیں ہو سکتی؟ کیا ہماری آنکھوں اور ہمارے حواس نے کل عالم موجودات کا احاطہ کر لیا ہے؟ ایسی بات خاص کر اس زمانہ میں جب کہ روز روز نئے انکشافات ہو رہے ہیں، کوئی بڑا احمق ہی کہہ سکتا ہے در اصل انسان کا علم اور اس کے علمی ذرائع بہت ہی ناقص اور محدود ہیں۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (بنی اسرائیل: ۸۵)

اور اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یقین کیا جائے کہ اللہ پاک نے اپنے رسولوں کے ذریعہ وقتاً فوقتاً ہدایت نامے بھیجے ان میں سب سے آخر اور سب کا خاتم قرآن مجید ہے۔ جو پچھلی سب کتابوں کا مصدق اور مہیمن بھی ہے، یعنی ان کتابوں میں جتنی ایسی باتیں تھیں جن کی تعلیم و تبلیغ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ضروری ہوتی ہے وہ سب اس قرآن میں لے لی گئی ہیں، گویا یہ تمام کتب سماویہ کے ضروری مضامین پر حاوی اور سب سے مستغنی کر دینے والی خدا کی آخری کتاب ہے اور چونکہ وہ کتابیں اب محفوظ بھی نہیں رہیں اسلئے اب صرف یہی کتاب ہدایت ہے جو سب کے قائم مقام اور سب سے زیادہ مکمل ہے اور زمانۂ آخر تک اس کی حفاظت کی ذمہ داری اسی لئے خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر: ۹)

اور "اللہ کے رسولوں" پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس واقعی حقیقت کا یقین کیا جائے کہ اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کیلئے، وقتاً فوقتاً اور مختلف علاقوں میں اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنی "ہدایت" اور اپنی رضامندی کا دستور دے کر بھیجا ہے، اور انہوں نے پوری امانت و دیانت کے ساتھ خدا کا وہ پیغام بندوں کو پہنچا دیا، اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی پوری پوری کوششیں کیں، یہ سب پیغمبر اللہ کے برگزیدہ اور صادق بندے تھے (ان میں سے چند کے نام اور کچھ حالات بھی قرآن کریم میں ہم کو بتلائے گئے ہیں اور بہت سوں کے نہیں بتلائے گئے مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (المؤمن: ۷۸)

---

[1] بلکہ وہ محترم اور باعزت بندے ہیں ۱۲۔

[2] وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے، جو حکم ان کو دیا جاتا ہے وہ اس کے مطابق ہی کرتے ہیں۔ ۱۲

بہر حال خدا کے ان سب رسولوں کی تصدیق کرنا اور بحیثیت پیغمبر ان کا پورا پورا احترام کرنا ایمان کے شرائط میں سے ہے، اور اسی کے ساتھ اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ نے اس سلسلۂ نبوت و رسالت کو حضرت محمد ﷺ پر ختم کر دیا، آپ خاتم الانبیاء اور خدا کے آخری رسول ہیں اور اب قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے نجات و فلاح آپ ہی کی اتباع اور آپ ہی کی ہدایت کی پیروی میں ہے۔ صلی اللہ وسلم علیہ وعلی سائر الانبیاء والمرسلین وعلی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

اور "ایمان بالیوم الآخر" یہ ہے کہ اس حقیقت کا یقین کیا جائے کہ یہ دنیا ایک دن قطعی طور پر فنا کر دی جائے گی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی خاص قدرت سے پھر سارے مردوں کو جلائے گا اور یہاں جس نے جیسا کچھ کیا ہے اسی کے مطابق جزا یا سزا اس کو دی جائے گی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ چونکہ دین و مذہب کے سارے نظام کی بنیاد اس حیثیت سے جزا و سزا ہی کے عقیدہ پر ہے کہ اگر آدمی اس کا قائل نہ ہو تو پھر وہ کسی دین و مذہب اور اس کی تعلیمات و ہدایات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے ہی کی ضرورت کا قائل نہ ہوگا، اس لئے ہر مذہب میں خواہ وہ انسانوں کا خود ساختہ ہو یا اللہ کا بھیجا ہوا "جزا و سزا" کو بطور بنیادی عقیدہ کے تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر انسانی دماغوں کے بنائے ہوئے مذاہب میں اس کی شکل تناسخ وغیرہ تجویز کی گئی ہے لیکن خدا کی طرف سے آئے ہوئے ادیان و مذاہب کل کے کل اس پر متفق ہیں کہ اس کی صورت وہی حشر و نشر کی ہوگی جو اسلام بتلاتا ہے اور قرآن پاک میں اس پر اس قدر استدلالی روشنی ڈالی گئی ہے کہ کوئی اعلیٰ درجہ کا احمق اور انتہائی قسم کا کج فہم ہی ہوگا جو ان قرآنی دلائل و براہین کے سامنے آجانے کے بعد بھی حشر و نشر اور بعث بعد الموت کو ناممکن اور محال یا مستبعد بھی کہے۔

اور "ایمان بالقدر" یہ ہے کہ اس بات پر یقین لایا جائے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے (خواہ وہ خیر ہو یا شر) وہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہے۔ جس کو وہ پہلے ہی طے کر چکا ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ تو کچھ اور چاہتا ہو اور دنیا کا یہ کارخانہ اس کی مشیت کے خلاف اور اس کی مرضی کے علی الرغم چل رہا ہو، ایسا ماننے میں خدا کی انتہائی عاجزی اور بیچارگی لازم آئے گی۔[1]

(۳) احسان ... اسلام و ایمان کے بعد سائل نے تیسرا سوال رسول اللہ ﷺ سے "احسان" کے متعلق کیا

[1] یہاں اس ایک جملہ میں مسئلہ تقدیر کے مشکل ترین پہلو کو سمجھانے کیلئے سمجھ سکنے والوں کے واسطے ایک مختصر مگر کافی وشافی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ امام غزالیؒ نے اس مضمون کو پورے شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے صحیح مسلم کی شرح "فتح الملہم" میں اسی "حدیث جبرئیل" کے ذیل میں امام غزالیؒ کا وہ کلام اور اس کے علاوہ امام ابن القیمؒ اور شاہ ولی اللہؒ سے جو کچھ اس مسئلہ کے متعلق نقل کیا ہے اہل علم کیلئے وہ سب قابل دید اور لائق استفادہ ہے۔ اس مسئلہ پر اس سے زیادہ جامع اور نہایت دلکش کلام جس سے مسئلہ کی تمام مشکلیں حل ہو جاتی ہوں، ابھی تک راقم السطور کی نظر سے نہیں گزرا۔ جو اہل علم اس مسئلہ کے بارے میں اطمینان اور تشفی حاصل کرنا چاہیں وہ "فتح الملہم" ہی کی طرف رجوع فرمائیں۔ چونکہ عام اردو خواں حضرات کیلئے ان دقیق مباحث کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے اسلئے ہم نے یہاں ان کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور جتنا کچھ ان کیلئے آسان ہو سکتا ہے وہ انشاء اللہ آگے تقدیر سے متعلق احادیث کی تشریح میں لکھا جائے گا ۱۲۔

تھا کہ "اما الاحسان" یعنی "احسان" کی کیا حقیقت ہے؟

یہ "احسان" بھی ایمان واسلام کی طرح خاص دینی اور بالخصوص قرآنی اصطلاح ہے۔ فرمایا گیا ہے "بلی من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه" وہاں جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور اسکے ساتھ "احسان" کا وصف بھی اس میں ہو تو اسکے رب کے پاس اس کے لئے خاص (اجر ہے)۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: "ومن احسن دينا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن" (اور اس سے اچھا دین میں کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور ساتھ ہی وہ محسن (یعنی صاحب احسان بھی ہے)۔

ہماری زبان اور ہمارے محاورہ میں تو "احسان" کے معنی کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ہیں لیکن یہاں جس "احسان" کا ذکر ہے وہ اس کے علاوہ ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کی حقیقت وہی ہے جو حدیث زیر تشریح میں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی یعنی خدا کی بندگی اس طرح کرنا جیسے کہ وہ قہار وقدوس اور ذوالجلال والجبروت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں۔

اس کو یوں سمجھئے کہ غلام ایک تو اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرتا ہے جبکہ وہ اس کے سامنے موجود ہو اور اس کو یقین ہو کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ایک رویہ اس کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ آقا کی غیر موجودگی میں کام کرتا ہے، معمولاً ان دونوں وقتوں کے طرز عمل میں فرق ہوتا ہے، اور عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جس قدر دلی دھیان اور محنت اور خوش اصولی کے ساتھ وہ آقا کی آنکھوں کے سامنے کام کرتا اور جس خوش اسلوبی سے اس وقت وظائف خدمت وہ انجام دیتا ہے، مالک کی عدم موجودگی میں اس کا حال وہ نہیں ہوتا، یہی حال بندوں کا اپنے حقیقی مولیٰ کے ساتھ بھی ہے جس وقت بندہ یہ محسوس کرے کہ میرا وہ مولیٰ حاضر ناظر ہے، میرے ہر کام بلکہ میری ہر ہر حرکت اور ہر ہر عمل کو وہ دیکھ رہا ہے، تو اس کی ایک خاص کیفیت اور اس کی بندگی میں ایک خاص شان نیاز مندی ہوگی، جو اس وقت میں نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا دل اس تصور اور اس احساس سے خالی ہو ____ تو "احسان" یہی ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کی جائے گویا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، اور ہم اس کے سامنے ہیں اور وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا کہ:

(الاحسان) اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ ۔

احسان اس کا نام ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو مگر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔ [1]

---

[1] حدیث کے اس ٹکڑے کا ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے (بلکہ وہی زیادہ مشہور ہے) اور وہ یہ ہے کہ عبادت کرو اللہ کی اس طرح کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، پس اگر یہ مقام (مشاہدۂ حق کا) تمہیں حاصل نہ ہو تو پھر عبادت کرو اس طرح اور اس تصور کے ساتھ کہ وہ "تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ جو حضرات رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا یہ مطلب لیتے ہیں ان کے نزدیک اس میں عبادت کے دو درجوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ایک یہ کہ عبادت "مشاہدۂ حق" کے ساتھ ہو (جو مقام ہے عرفاء کاملین کا) اور دوسرے یہ کہ عابد عبادت اس تصور کے ساتھ کرے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے (یہ مقام ہے درجۂ دوم کے عابدوں اور عارفوں کا)۔ (جاری ہے)

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے سوال کے جواب میں بجائے یہ فرمانے کے کہ "مجھے اس کا علم نہیں" یہ پیرایہ بیان (کہ اس بارے میں مسئول عنہ کا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) اس لئے اختیار فرمایا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کسی سائل اور کسی مسئول کو بھی اس کا علم نہیں ہے، اور آیت قرآنی تلاوت کر کے آپ نے اس کو اور زیادہ محکم فرما دیا۔

۵) علامات قیامت — وقت قیامت کے متعلق مذکورۂ بالا جواب پانے کے بعد سائل نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ "فاخبرني عن اماراتها" (مجھے قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتلا دیجئے!) اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے دو خاص نشانیاں بیان فرمائیں۔

ایک یہ کہ "لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی"، اور دوسری یہ کہ ننگے اور بھوکے لوگ جن کا کام بکریاں چرانا ہو گا وہ بھی بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنائیں گے۔

پہلی جو نشانی آپ نے بیان فرمائی اس کا مطلب شارحین حدیث نے کئی طرح سے بیان کیا ہے، راقم کے نزدیک سب سے زیادہ راجح توجیہ یہ ہے کہ قرب قیامت میں ماں باپ کی نافرمانی عام ہو جائے گی حتیٰ کہ لڑکیاں جن کی سرشت میں والدین کی اطاعت اور وفاداری کا عنصر بہت غالب ہوتا ہے اور جن سے ماں کے مقابلہ میں سرکشی بظاہر بہت ہی مشکل اور مستبعد ہے وہ بھی نہ صرف یہ کہ ماں کے مقابلہ میں نافرمان ہو جائیں گی بلکہ الٹی اس طرح ان پر حکومت چلائیں گی جس طرح کوئی مالکہ اور سیدہ اپنی زرخرید باندی پر حکومت کرتی ہے۔ اسی کو حضرت نے اس عنوان سے تعبیر فرمایا ہے کہ "لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی"۔ یعنی عورت سے جو لڑکی پیدا ہو گی وہ بڑی ہو کر خود اس ماں پر اپنی حکومت چلائے گی۔ اور کوئی شک نہیں کہ اس نشانی کے ظہور کی ابتدا ہو چکی ہے۔

اور دوسری جو نشانی حضرت نے بیان فرمائی کہ "بھوکے ننگے اور بکریوں کے چرانے والے اونچے اونچے محل بنوائیں گے"۔ تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں دنیوی دولت و بالاتری ان اراذل کے ہاتھوں میں آئے گی جو ان کے اہل نہ ہوں گے۔ اور ان کو بس اونچے اونچے شاندار محل بنوانے سے شغف ہو گا اور اسی کو وہ سرمایۂ فخر و مباہات سمجھیں گے اور اس میں اپنی اولوالعزمی دکھائیں گے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔

ایک دوسری حدیث میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے "اذا وسد الامر الى غير اهله فانتظر الساعة" (یعنی جب حکومتی اختیارات اور مناصب و معاملات نااہلوں کے سپرد ہونے لگیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔)

ذیر تشریح حدیث کے آخر میں ہے کہ اس سائل کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ یہ سائل جبرئیل امین تھے اور اس لئے سائل بن کر آئے تھے کہ اس سوال و جواب کے ذریعے صحابہؓ کو دین کی تعلیم و تذکیر ہو جائے۔

اس حدیث کی بعض روایات میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت جبرئیل کی یہ آمد اور گفتگو رسول اللہ ﷺ

کی عمر شریف کے آخری حصہ میں ہوئی تھی۔

گویا تئیس سال کی مدت میں جس دین کی تعلیم مکمل ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ جبرئیل کے ان سوالات کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے پورے دین کا خلاصہ اور لب لباب بیان کرا کے صحابہؓ کے علم کی تکمیل کر دی جائے اور ان کو اس امانت کا امین بنا دیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ دین کا حاصل بس تین ہی باتیں ہیں:

(۱) یہ کہ بندہ اپنے کو بالکل اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بنا دے اور اس کی بندگی کو اپنی زندگی بنا لے، اور اسی کا نام اسلام ہے اور ارکان اسلام اسی حقیقت کے مظاہر ہیں۔

(۲) ان اہم غیبی حقیقتوں کو مانا جائے اور ان پر یقین کیا جائے جو اللہ کے پیغمبروں نے بتلائیں اور جن کو ماننے کی دعوت دی اور اسی کا نام ایمان ہے۔

(۳) اور اللہ نصیب فرمائے تو اسلام و ایمان کی منزلیں طے کر لینے کے بعد تیسری اور آخری تکمیلی منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایسا استحضار اور دل کو مراقبہ حضور و شہود کی ایسی کیفیت نصیب ہو جائے کہ اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی فرمانبرداری و بندگی اس طرح ہونے لگے کہ گویا اپنے پورے جمال و جلال کے ساتھ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے اور اسی کیف و حال کا نام احسان ہے۔

اسی طرح اس سوال و جواب میں گویا پورے دین کا خلاصہ اور عطر آ گیا، اور اسی لئے اس حدیث کو علماء نے "ام السنۃ" بھی کہا ہے، گویا جس طرح قرآن مجید کے تمام اہم مطالب اور مضامین پر بالاجمال حاوی ہونے کی وجہ سے سورۂ فاتحہ کا نام "ام الکتاب" ہے اسی طرح یہ حدیث بھی اپنی اس جامع حیثیت کی وجہ سے "ام السنۃ" کہی جانے کی مستحق ہے اور اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے امام مسلم نے اپنی جلیل القدر کتاب صحیح مسلم کو مقدمہ کے بعد اسی حدیث سے شروع کیا ہے، اور امام بغوی نے بھی اپنی دونوں تالیفوں "مصابیح" اور "شرح السنۃ" کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے۔

یہ حدیث حضرت عمرؓ کی روایت سے جس طرح کہ یہاں نقل کی گئی صحیح مسلم میں ہے اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی یہ واقعہ مروی ہے اور دوسری کتب حدیث میں اور بھی چند صحابہ کرامؓ سے یہ واقعہ روایت کیا گیا ہے۔

ارکان اسلام

(۳) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔**

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے، ایک اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں (کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا،

تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا، چوتھے حج کرنا، پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح ... اس حدیث میں رسول اللہ (ﷺ) نے استعارہ کے طور پر اسلام کو ایک عمارت سے تشبیہ دی ہے، جو چند ستونوں پر قائم ہو اور بتلایا ہے کہ عمارت اسلام ان پانچ ستونوں پر قائم ہے، لہٰذا کسی مسلمان کے لئے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ان ارکان کے ادا کرنے اور قائم کرنے میں غفلت کرے، کیونکہ یہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔ واضح رہے کہ اسلام کے فرائض ان ارکان خمسہ ہی میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں، مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ، لیکن جو اہمیت اور جو خصوصیت ان پانچ کو حاصل ہے، وہ چونکہ اوروں میں نہیں ہے اسلئے اسلام کا رکن صرف ان ہی کو قرار دیا گیا ہے، اور خصوصیت و اہمیت وہی ہے جو پچھلے اوراق میں "حدیث جبرئیل" کی تشریح کے ضمن میں لکھی جا چکی ہے، جسکا حاصل یہ ہے کہ یہ "ارکان خمسہ" اسلام کیلئے بمنزلہ پیکر محسوس کے ہیں، نیز یہی وہ خاص تعبدی امور ہیں جو بالذات مطلوب و مقصود ہیں، اور ان کی فرضیت کسی عارض کی وجہ سے، اور کسی خاص حالت سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ یہ مستقل اور دوامی فرائض ہیں، بخلاف جہاد اور امر بالمعروف کے، کہ ان کی یہ حیثیت نہیں ہے اور وہ خاص حالات میں اور خاص موقعوں پر فرض ہوتے ہیں۔

ارکانِ خمسہ پر جنت کی بشارت!

۱۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ نُهِيْنَا اَنْ نَسْئَلَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنْ شَيْءٍ فَكَانَ يُعْجِبُنَا اَنْ يَجِيْءَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْئَلَهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! اَتَانَا رَسُوْلُكَ فَزَعَمَ لَنَا اَنَّكَ تَزْعُمُ اَنَّ اللهَ اَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ قَالَ اللهُ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ قَالَ اللهُ قَالَ فَمَنْ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيْهَا مَا جَعَلَ قَالَ اللهُ قَالَ فَبِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْاَرْضَ وَ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ اللهُ اَرْسَلَكَ؟ قَالَ نَعَمْ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ يَوْمِنَا وَلَيْلَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا زَكٰوةً فِيْ اَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقَ قَالَ ثُمَّ وَلّٰى وَقَالَ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُنَّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ۔

(رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ ... حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ممانعت کر دی گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ سے (بلا خاص ضرورت کے) کچھ پوچھیں، تو ہم کو اس بات سے خوشی ہوتی تھی کہ کوئی سمجھدار بدوی حضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ سے کچھ پوچھے اور ہم سنیں۔ تو ان ہی ایام میں ایک بدوی

جائے گی اور اُس کے حاجت مند طبقہ میں تقسیم کر دی جائے گی۔

بہر حال حضرت معاذؓ کو یہ ہدایت دینے سے حضور ﷺ کا مقصد دعوت و تعلیم میں ترتیب و تدریج کا حکیمانہ اصول ان کو بتلانا تھا، باقی اسلام کے ضروری احکام اور ارکان حضرت معاذؓ کو معلوم ہی تھے، اس لئے اس موقع پر سب کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

علاوہ ازیں اس میں بھی شبہ نہیں کہ اسلام کے ارکان و فرائض میں نماز اور زکوۃ ہی سب سے زیادہ اہم ہیں، اور قرآن مجید میں انہی دو پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ جو شخص ان دو کو ادا کرنے لگے، اس کیلئے باقی تمام ارکان و فرائض کا ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے، جیسا کہ تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے، نیز نفس انسانی کی طبیعت میں ان دونوں کو بہت خاص دخل ہے۔ اور غالباً اسی واسطے کتاب و سنت میں بہت سے مقامات پر صرف ان ہی دو رکنوں کا ذکر کیا جاتا ہے......... مثلاً سورہ بینہ میں فرمایا گیا۔ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ اور سورہ توبہ میں فرمایا گیا۔ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ...... اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث آگے آنے والی ہے۔ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ..... پس ان آیات واحادیث میں ارکانِ اسلام میں سے صرف نماز اور زکوۃ ہی کے ذکر کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

اسلام کی دعوت و تعلیم کے متعلق یہ ہدایت دینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو ایک نصیحت فرمائی، کہ جب زکوۃ کی وصولی کا وقت آئے، تو ایسا نہ کیا جائے کہ لوگوں کے اموال (مثلاً پیداوار اور چوپایوں) میں سے بہتر بہتر زکوۃ میں لینے کیلئے چھانٹ لئے جائیں، بلکہ جیسا مال ہو اسی کے اوسط سے زکوۃ وصول کی جائے۔

سب سے آخری نصیحت آپ نے یہ فرمائی کہ دیکھو مظلوم کی بددعا سے بچنا (مطلب یہ ہے کہ تم ایک علاقے کے حاکم بن کر جا رہے ہو، دیکھو کبھی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا) کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے، وہ قبول ہو کے رہتی ہے۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

بلکہ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے۔

دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ مُسْتَجَابَةٌ وَإِنْ كَانَ فَاجِرًا فَفُجُورُهُ عَلَى نَفْسِهِ

مظلوم کی دعا قبول ہی ہوتی ہے، اگرچہ وہ بدکار بھی ہو، تو اس کی بدکاری کا وبال اسکی ذات پر ہے۔ (مسند احمد)

(یعنی فسق و فجور کے باوجود ظالم کے حق میں اس کی بددعا قبول ہوتی ہے)۔

اور مسند احمد ہی میں حضرت انسؓ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔

دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ مُسْتَجَابَةٌ وَاِنْ كَانَ كَافِرًا لَيْسَ دُوْنَهُ حِجَابٌ

مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے، اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اس کیلئے کوئی روک نہیں ہے۔ (مسند احمد)

ف۔۔۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا، اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر چلنا اگلے پیغمبروں اور اگلی کتابوں کے ماننے والے اہل کتاب کے لئے بھی ضروری ہے۔ اور اپنے سابق ادیان پر قائم رہنا اب اُن کی نجات کے لئے کافی نہیں۔ ہمارے اس زمانہ میں مسلمان کہلانے والوں میں سے بعض لکھے پڑھے جو اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ "یہود و نصاریٰ جیسی امتیں ان پرانی شریعتوں پر چل کر بھی اللہ کی رضا اور نجات حاصل کر سکتی ہیں اور ان کے لئے شریعت اسلام کا اتباع ضروری نہیں"۔ وہ یا تو دین اور اصول دین سے جاہل ہیں یا در اصل منافق ہیں، آئندہ حدیث میں یہی مسئلہ اور زیادہ صراحت اور وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔

اللہ کے رسولؐ پر جو شخص ایمان نہ لائے، اور ان کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے، وہ نجات نہیں پا سکتا!

(۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ۔۔۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "قسم اس ذات پاک کی، جسکے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، اس اُمت کا (یعنی اس دور کا) جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سن لے (یعنی میری نبوت و رسالت کی دعوت اس تک پہنچ جائے) اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے، تو ضرور وہ دوزخیوں میں ہوگا"۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔۔۔ اس حدیث میں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر اور یہ ظاہر کرنے کے واسطے کیا گیا ہے کہ جب یہود و نصاریٰ جیسے مسلّم اہل کتاب بھی خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لائے بغیر اور ان کی شریعت کو قبول کئے بغیر نجات نہیں پا سکتے، تو دوسرے کافروں، مشرکوں کا انجام اسی سے سمجھ لیا جائے۔

بہر حال حدیث کا مضمون عام ہے، اور مطلب یہ ہے، کہ اس دور محمدی میں (جو حضور ﷺ کی بعثت سے شروع ہوا ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا) جس شخص کو آپ کی نبوت و رسالت کی دعوت پہنچ جائے، اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے، اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے، اور اسی حال میں مر جائے، تو وہ دوزخ میں جائے گا، اگرچہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اس کی کتاب و شریعت کا ماننے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو، الغرض خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے اور آپ کی شریعت کو قبول کئے بغیر نجات ممکن نہیں، ہاں جس بیچارہ کو آپ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی وہ معذور ہے۔ یہ مسئلہ دین اسلام کے قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے جس میں شک و شبہ رسول اللہ ﷺ کی

نبوت و رسالت کی حیثیت کون سمجھ ہی سے ہو سکتا ہے۔

(٩) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَرَأَيْتَ رَجُلًا مِنَ النَّصَارٰى مُتَمَسِّكًا بِالْاِنْجِيْلِ وَرَجُلًا مِنَ الْيَهُوْدِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرَاةِ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ بِيْ مِنْ يَهُوْدِيٍّ اَوْ نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِيْ فَهُوَ فِي النَّارِ.
(اخرجه الدار قطنی فی الافراد)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ "یا رسول اللہ! ایک نصرانی شخص ہے جو انجیل کے موافق عمل کرتا ہے، اور اسی طرح ایک یہودی شخص ہے، جو تورات کے احکام پر چلتا ہے، اور وہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے، مگر اس کے باوجود وہ آپ کے دین اور آپ کی شریعت پر نہیں چلتا، تو فرمائیے کہ اس کا کیا حکم ہے؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس یہودی یا نصرانی نے میری بات کو سن لیا (یعنی میری دعوت اس تک پہنچ گئی) اور اس کے بعد بھی اس نے میری پیروی اختیار نہیں کی، تو وہ دوزخ میں جانے والا ہے۔"

تشریح ۔۔۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ والی اوپر کی حدیث سے بھی زیادہ واضح ہے، اس میں تصریح ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی اللہ کو اور اس کے رسول کو مانتا بھی ہو (یعنی توحید کا قائل، اور رسول اللہ ﷺ کی بھی تصدیق کرتا ہو) مگر پیروی آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بجائے تورات اور انجیل ہی کی کرتا ہو، اور اسی کو اپنی نجات کے لئے کافی سمجھتا ہو، تو وہ نجات نہیں پا سکے گا۔
اسی حقیقت کا اعلان قرآن مجید کی اس آیت میں بھی کیا گیا ہے:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ". (آل عمران ۳: ۳۱)
اے نبی! (جو لوگ آپ کی شریعت کا اتباع اختیار کئے بغیر اللہ کو چاہتے ہیں، اور اس کی بخشش حاصل کر سکنے کی خام خیالی میں مبتلا ہیں، ان سے) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم واقعۃً اللہ کو چاہتے ہو، تو (اس کے سوا اب اس کا کوئی راستہ نہیں ہے کہ) میری شریعت کی پیروی اختیار کرو (اگر ایسا کرو گے، تو) اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ (اور اگر تم میری پیروی اختیار نہیں کرو گے، تو اس کی) محبت اور مغفرت کے تم مستحق نہیں ہو سکو گے)۔

سچا ایمان و اسلام نجات کی ضمانت ہے

(١٠) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَوْ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ (شَكَّ الْاَعْمَشُ) قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ لَوْ اَذِنْتَ لَنَا فَنَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا فَاَكَلْنَا وَادَّهَنَّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ

[1] یہ حدیث مولانا بدر عالم صاحب نے ترجمان السنہ جلد دوم میں نقل فرمائی ہے، اس عاجز نے نظر ثانی کے وقت وہیں سے اس کا اضافہ کیا ہے۔

کے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص بھی ان دو شہادتوں کو مخلصانہ طور پر ادا کرے، اور شک شبہ کی کوئی بیماری اس کے دل دماغ کو نہ ہو، اور اسی ایمانی حال میں اس کو موت آئے، تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

جو لوگ قرآن و حدیث کے محاورہ اور طرزِ بیان سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں، کہ ایسے موقعوں پر "اللہ کی توحید اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی شہادت" ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوتِ ایمان کو قبول کر لینا، اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کو اپنا دین بنا لینا ہوتا ہے اور اسی لئے ان دو شہادتوں کے ادا کرنے کا مطلب ہمیشہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا، اور اسلام کو اپنا دین بنا لیا، پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس ارشاد کا مطلب یہی ہے، کہ جو شخص "لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ" کی شہادت ادا کر کے میری ایمانی دعوت کو قبول کر لے، اور اسلام کو اپنا دین بنا لے، اور اس بارے میں وہ مخلص اور صاحبِ یقین ہو، تو اگر اسی حال میں وہ مر جائے گا، تو جنت میں ضرور جائے گا۔

پس اگر کوئی شخص "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا اقرار کرے لیکن اسلام کو اپنا دین نہ بنائے، بلکہ کسی اور دین و مذہب پر قائم رہے، یا توحید و رسالت کے علاوہ دوسرے ایمانیات کا انکار کرے مثلاً قیامت کو، یا قرآن مجید کو نہ مانے تو وہ اس بشارت کا مستحق نہ ہوگا۔

الغرض اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کرنا اور اسلام کو اپنا دین بنانا ہے، اسی طرح جن حدیثوں میں صرف توحید پر، اور صرف "لا الٰہ الا اللہ" کے اقرار پر جنت کی بشارت دی گئی ہے، ان کا مطلب بھی یہی ہے، اور اصل یہ سب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوتِ ایمان کو قبول کر لینے اور اسلام کو اپنا دین بنا لینے کے بعد مشہور و معروف عنوانات ہیں، ان شاء اللہ اس کی کچھ مزید تفصیل اگلی حدیثوں کی تشریح میں بھی کی جائے گی۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر اور بھی چند سبق ملتے ہیں:

(۱) اگر کوئی بڑا حتیٰ کہ اللہ کا نبی و رسول بھی کسی معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرے، اور کسی صاحبِ رائے خادم کو اس میں مضرت کا کوئی پہلو نظر آئے، تو وہ ادب کے ساتھ اپنی رائے اور اپنا مشورہ پیش کرنے سے دریغ نہ کرے، اور اس بڑے کو چاہئے کہ وہ اس پر غور کرے، اور اگر وہی رائے بہتر اور انسب معلوم ہو، تو اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اس کو اختیار کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کرے۔

(۲) دعا کا قبول ہونا، اور بالخصوص اس قبولیت کا خرقِ عادت کی شکل میں ظاہر ہونا اللہ کی نشانیوں اور مقبولیت اور تعلق باللہ کی خاص علامتوں میں سے ہے،[1] جس سے مؤمنین کے انشراحِ صدر اور اطمینانِ قلبی میں

---

[1] واضح رہے کہ خوارق کا ظہور، تعلق باللہ اور مقبولیت عند اللہ کی نشانی جب ہے کہ صاحبِ واقعہ مؤمن اور صاحبِ صلاح و تقویٰ ہو، ورنہ اگر کسی کھلے کافر و فاسق و فاجر یا کسی دین سے غافل سے ایسی کسی چیز کا ظہور ہو، تو وہ دینی اصطلاح میں "استدراج" ہے، اور "کرامت" اور "استدراج" میں یہی اصل اور ظاہری فرق ہے، اسی عاجز نے اپنی کتاب "دین و شریعت" میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ۱۲

ترقی ہوتا ہے، حق یہ کہ نبوت کی میراث ہے (جیسا کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے کلمۂ شہادت پڑھنے سے ظاہر ہے) پس جن لوگوں کو اس طرح کے انعامات الٰہیہ کے تذکرہ سے بجائے انشراح کے انقباض ہوتا ہے، یا جو اس قسم کے خوارق کو طرہ و تحکیم ہو، استخفاف و استھزاء کے لائق سمجھتے ہیں، ان کے دل ایک بڑی بیماری کے بیمار ہیں۔

(۱۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ "جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے، اور محمد اس کے رسول ہیں، تو اللہ نے اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے۔"

تشریح: جیسا کہ اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے، اس حدیث میں بھی "توحید و رسالت کی شہادت" سے مراد دعوت اسلام کو قبول کرنا اور اس پر چلنا ہے، اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت پورے اسلام کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، جس نے یہ شہادت سوچ سمجھ کے دی اور حقیقت اس نے پورے اسلام کو اپنا دین بنالیا، اب اگر بالفرض اس سے بہ تقاضائے بشریت کوئی کوتاہی بھی ہو گی تو اس کا ایمانی شعور، کفارہ اور توبہ وغیرہ کے مقررہ طریقوں سے اس کی تلافی کرنے پر اسکو مجبور کریگا، اور اسلئے انشاء اللہ وہ عذاب دوزخ سے محفوظ ہی رہے گا۔

(۱۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ اِلَّا مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ فَقُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ قَالَ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ اِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ اَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ. (رواہ البخاری ومسلم واللفظ لہ)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک ہی سواری پر تھا اور میرے اور آپ ﷺ کے درمیان کجاوے کے پچھلے حصے کے سوا اور کوئی چیز حائل نہ تھی (یعنی میں حضور ﷺ کے پیچھے بالکل ملا ہوا بیٹھا تھا کہ چپکے ہی بیٹھے) آپ ﷺ نے مجھے پکارا اور فرمایا معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ (ﷺ) وسعدیک" (یعنی میں حاضر ہوں ارشاد فرمائیں) — پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا "معاذ بن جبل!" میں نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ وسعدیک" پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا "معاذ بن جبل!" میں نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ وسعدیک"

(اس تیسری دفعہ میں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟" میں نے عرض کیا "اللہ و رسولہ اعلم" (اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ علم رکھتے ہیں) ارشاد فرمایا: "اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اسکی عبادت و بندگی کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں" پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "معاذ بن جبل!" میں نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ و سعدیک" آپ ﷺ نے فرمایا: "تم جانتے ہو کہ جب بندے اللہ کا یہ حق ادا کریں، تو پھر اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟" میں نے عرض کیا: "اللہ و رسولہ اعلم" (اللہ اور رسول ہی کو زیادہ علم ہے) آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کہ انہیں عذاب میں نہ ڈالے"۔

تشریح۔ اس حدیث میں چند چیزیں قابل توجہ ہیں:

(۱) حضرت معاذؓ نے اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے حضور ﷺ کیساتھ ایک ہی سواری پر سوار ہونے، اور آپ کے پیچھے بالکل آپ سے مل کر بیٹھنے کو جس خاص انداز سے بیان کیا ہے، اس کی چند وجہیں ہو سکتی ہیں۔

ایک یہ کہ حضور ﷺ کی جو خاص شفقت اور عنایت حضرت معاذؓ پر تھی، اور بارگاہ نبوی ﷺ میں جو خاص مقام قرب ان کو حاصل تھا، وہ سامعین کے پیش نظر رہے، تاکہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ سے ایک ایسی بات کیوں فرمائی، جس کی عوام مسلمین میں اشاعت کے آپ روادار نہ تھے، جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔

دوسری بات اس کی توجیہ میں یہ بھی کی جا سکتی ہے، کہ ممکن ہے حضرت معاذؓ کا مقصد اس تفصیل کے بیان کرنے سے اس حدیث کے بارے میں اپنا اتقان بھی ظاہر کرنا ہو، یعنی لوگوں پر یہ واضح کرنا ہو کہ مجھے یہ حدیث ایسی یاد ہے، کہ اس وقت کی یہ جزئی باتیں بھی مجھے محفوظ ہیں۔

اور تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ جس طرح عشاق و محبین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ محبت کی یادگار صحبتوں کو والہانہ انداز میں اور مزے سے لے کر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اسی جذبے کے ماتحت حضرت معاذؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ اپنے سوار ہونے کی یہ تفصیل بیان کی ہو۔

(۲) حضور ﷺ نے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد حضرت معاذؓ کو تین دفعہ مخاطب کیا، اور پھر جو کچھ آپ فرمانا چاہتے تھے اس کا ایک حصہ آپ نے تیسری دفعہ فرمایا، اور دوسرا جز کچھ دیر توقف کے بعد چوتھی دفعہ فرمایا۔ اس کی توجیہ میں شارحین نے لکھا ہے، کہ غالباً آنحضرت ﷺ اس طرح حضرت معاذؓ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرمانا چاہتے تھے، تاکہ وہ ہمہ تن گوش ہو کر پوری رغبت و توجہ اور غور و تامل کے ساتھ آپ کا ارشاد سنیں۔ دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حضور ﷺ کو اس میں تردد اور توقف تھا کہ حضرت معاذؓ سے بھی یہ بات بیان کر دی جائے یا نہ کی جائے، اسی وجہ سے آپ نے ابتداء میں تو تین دفعہ توقف فرمایا، اور جب بیان فرما دینے ہی کے متعلق آپ کا شرح صدر ہو گیا تب آپ نے بیان فرمایا۔ لیکن راقم کے نزدیک ان دونوں توجیہوں میں تکلف ہے، اور زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ پر اس وقت کوئی خاص استغراقی حالت طاری تھی، آپ حضرت معاذؓ کو مخاطب کرتے تھے، اور کچھ فرمانے سے پہلے پھر اسی کیفیت میں مستغرق ہو جاتا تھا، اسی وجہ سے درمیان میں یہ

وقتے ہوئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اصل حدیث کا ماحصل صرف یہ ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے، کہ وہ اس کی عبادت اور بندگی کریں، اور کسی چیز کو اسکے ساتھ شریک نہ کریں، اور جب وہ اللہ کا یہ حق ادا کرینگے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق اپنے پر مقرر کر لیا ہے کہ وہ انکو عذاب میں نہ ڈالے گا۔

اس حدیث میں "اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے" سے مراد بھی در حقیقت دین توحید (یعنی اسلام) کو اختیار کرنا، اور اس پر چلنا ہے، اور چونکہ اس وقت اسلام و کفر کے درمیان سب سے بڑا اور واضح فرق و امتیاز توحید اور شرک ہی کا تھا، اسلئے اس حدیث میں (اور بعض، اور حدیثوں میں بھی) اسی عنوان کو اختیار کیا گیا ہے، نیز یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی کرنا، اور شرک سے بچنا اسلام کی روح، اور اس کا مرکزی مسئلہ ہے، اسلئے بھی کبھی کبھی اسلام کے لئے یہ عنوان اختیار کر لیا جاتا ہے، اس بات کی تائید (کہ اس حدیث میں اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے سے مراد دین اسلام قبول کرنا ہے) اس سے بھی ہوتی ہے، کہ صحیحین (بخاری و مسلم) ہی میں حضرت معاذؓ کی اسی حدیث کی ایک روایت میں (جو اگلے ہی نمبر پر ذکر کی جا رہی ہے) توحید و رسالت، دونوں پر ایمان لانے اور دونوں کی شہادت ادا کرنے کا ذکر ہے، اور ایک روایت میں شہادت توحید و رسالت کے علاوہ نماز اور روزہ کا بھی ذکر ہے۔

(۱۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَمُعَاذٌ رَدِیْفُهٗ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ یَا مُعَاذُ! قَالَ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ سَعْدَیْكَ، قَالَ یَا مُعَاذُ! قَالَ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَیْكَ قَالَ یَا مُعَاذُ! قَالَ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَیْكَ ، ثَلٰثًا، قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ، قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَیَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا یَتَّكِلُوْا فَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ حضرت معاذؓ کو جبکہ وہ حضور کے ساتھ ایک ہی کجاوے پر سوار تھے، پکارا اور فرمایا "یا معاذ!" انھوں نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ و سعدیک"۔ حضور نے پکارا! "یا معاذ!" انھوں نے عرض کیا: "لبیک یا رسول اللہ و سعدیک"۔ حضور نے پھر پکارا! "یا معاذ!" انھوں نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ و سعدیک"۔ تین دفعہ ایسا ہوا، پھر حضور نے (اس آخری دفعہ میں فرمایا) "جو کوئی سچے دل سے شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اسکے رسول ہیں، تو اللہ نے دوزخ پر ایسے شخص کو حرام کر دیا ہے"۔ حضرت معاذؓ نے (یہ خوش خبری سن کر) عرض کیا "کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کر دوں، تاکہ وہ سب خوش ہو جائیں؟"۔ حضور نے فرمایا "پھر وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے"۔ پھر حضرت معاذؓ نے کتمان علم کے گناہ کے خوف سے اپنے آخری وقت میں یہ حدیث لوگوں سے بیان کی۔

تشریح... ان دونوں روایتوں (۱۲ و ۱۳) کے ابتدائی تمہیدی حصے کی مطابقت و یکسانیت سے ظاہر ہے کہ ان

ہیں، اس میں مسلمان بھی اور غیر مسلم کافر و مشرک بھی "توحید و رسالت کی شہادت" اور "لا الٰہ الا اللہ کی شہادت" کا مطلب ایمان لانا اور اسلام قبول کرنا ہی سمجھتے تھے۔

(۱۵) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدِ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قَالَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ عَلٰى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ. (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں (ایک دن) حضورؐ کی خدمت میں پہنچا، تو آپ اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سوئے ہوئے تھے، پھر (کچھ دیر بعد) میں حاضر ہوا تو آپ بیدار ہو چکے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا "جو کوئی بندہ لا الٰہ الا اللہ کہے اور پھر اسی پر اسکو موت آجائے، تو وہ جنت میں ضرور جائیگا"۔ ابوذر کہتے ہیں، میں نے عرض کیا "اگرچہ اسنے زنا کیا ہو اور اگرچہ اسنے چوری کی ہو؟" آپ نے ارشاد فرمایا "ہاں اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اور اگرچہ اسنے چوری کی ہو!" (ابوذر کہتے ہیں) میں نے پھر عرض کیا "اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اسنے چوری کی ہو؟" آپ نے پھر ارشاد فرمایا "(ہاں) اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اسنے چوری کی ہو!"۔ (ابوذر کہتے ہیں) میں نے (تیسری دفعہ پھر) عرض کیا کہ: "(یا رسول اللہ! لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے والا جنت میں ضرور جائیگا) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟"۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا "(ہاں) ابوذر کے علی الرغم (وہ جنت میں جائے گا) اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اس نے چوری کی ہو!"۔

تشریح: اس حدیث میں بھی "لا الٰہ الا اللہ" کہنے سے مراد پورے دین توحید (یعنی اسلام) پر ایمان لانا اور اس کو اختیار کرنا ہے، اور بیشک جو شخص اس دین توحید پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوگا، وہ ضرور جنت میں جائے گا، اب اگر بالفرض ایمان کے باوجود اسنے گناہ بھی کئے ہوں گے، تو اگر کسی وجہ سے وہ معافی کا مستحق ہوگا، تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما کے بغیر کسی عذاب ہی کے اس کو جنت میں داخل کر دے گا، اور اگر وہ معافی کا مستحق نہ ہوگا تو گناہوں کی سزا پانے کے بعد وہ جنت میں جا سکے گا، بہر حال دین اسلام پر صدق دل سے ایمان رکھنے والا ہر شخص جنت میں ضرور جائے گا، اگرچہ دوزخ میں گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ہی جائے۔ حضرت ابوذرؓ کی اس روایت کا مطلب اور مفاد یہی ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے جو بار بار اپنا سوال دہرایا، تو اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ چوری اور زنا کو سخت ناپاک گناہ جاننے کی وجہ سے ان کو اس پر تعجب تھا کہ ایسے ناپاک گناہ کرنے والے بھی جنت میں جا سکیں گے، گویا اس وقت تک انہیں یہ مسئلہ معلوم نہ تھا، آج ہم جیسوں کو حضرت ابوذرؓ کے اس تعجب اور اس سوال کی وجہ سمجھنا اس لئے مشکل ہو گیا ہے کہ ہم نے اسلام ہی میں آنکھ کھولی ہے، اور یہ موٹی موٹی باتیں ہم کو گھروں ہی میں معلوم ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

---

❶ عربی زبان کا یہ ایک خاص محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کام تمہیں ناگوار بھی ہو، اور تم اس کا ہونا نہ بھی چاہتے ہو جب بھی یہ ہو کر رہے گا۔۱۲

(۱۶) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا تھا، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو وہ جنت میں جائے گا۔"

تشریح: اس حدیث میں بھی "لا الٰہ الا اللہ" پر یقین ہونے سے مراد وہی دین توحید پر ایمان رکھنا ہے، اور دخول جنت کے وعدہ کا مطلب بھی وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا کہ اپنے پورے اعمال نامہ کے تقاضے کے مطابق اللہ کی رحمت سے ابتداءً ہی میں یا کچھ سزا بھگت کر، ہر صاحب ایمان جنت میں ضرور جائے گا۔

(۱۷) عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ (وَهُوَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْاَنْصَارِ) اَنَّهُ اَتٰى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ اَنْكَرْتُ بَصَرِيْ وَاَنَا اُصَلِّيْ لِقَوْمِيْ فَاِذَا كَانَتِ الْاَمْطَارُ سَالَ الْوَادِيْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ لَمْ اَسْتَطِعْ اَنْ اٰتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَاُصَلِّيْ بِهِمْ وَوَدِدْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَنَّكَ تَاْتِيْنِيْ فَتُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ فَاَتَّخِذَهُ مُصَلًّى قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ سَاَفْعَلُ اِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى قَالَ عِتْبَانُ فَغَدَا عَلَيَّ وَاَبُوْ بَكْرٍ حِيْنَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَاسْتَاْذَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَاَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حِيْنَ دَخَلَ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ اَيْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ قَالَ فَاَشَرْتُ لَهُ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَكَبَّرَ فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، قَالَ وَحَبَسْنَاهُ عَلٰى خَزِيْرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهُ قَالَ فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ اَهْلِ الدَّارِ ذَوُوْ عَدَدٍ فَاجْتَمَعُوْا فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ اَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ اَوِ ابْنُ الدُّخْشُنِ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَالِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا تَقُلْ ذَاكَ اَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ يُرِيْدُ بِذَالِكَ وَجْهَ اللهِ؟ قَالَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّا نَرٰى وَجْهَهُ وَنَصِيْحَتَهُ اِلَى الْمُنَافِقِيْنَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَاِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ يَبْتَغِيْ بِذَالِكَ وَجْهَ اللهِ. (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: عتبان بن مالکؓ سے روایت ہے (اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ان اصحاب میں سے ہیں، جو انصار میں سے غزوہ بدر میں شریک تھے) کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا، کہ "میری نگاہ میں فرق آ گیا ہے (یعنی مجھے کم دکھائی دینے لگا ہے) اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، سو جب بارشیں ہوتی ہیں اور میرے اور میری قوم والوں کے درمیان جو نالہ ہے، وہ بہنے لگتا ہے، تو میں انکی مسجد تک جا کر نماز نہیں پڑھا سکتا اور یا رسول اللہ (ﷺ) میری یہ خواہش ہے، کہ حضور میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں، تاکہ میں اسی جگہ کو اپنی مستقل نماز گاہ بنا لوں"۔ کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا "انشاء اللہ تعالیٰ میں ایسا کروں گا"۔ (عتبان کہتے ہیں) کہ صبح کو جب کچھ دن چڑھ گیا تو رسول اللہ اور ابو بکرؓ میرے یہاں پہنچ گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے آپ کو اجازت دی، پس جب آپ گھر میں تشریف لائے، تو بیٹھے نہیں، اور مجھ سے فرمایا "تم اپنے گھر میں سے کون سی جگہ پسند

کرتے ہو، کہ میں وہاں نماز پڑھوں؟" کہتے ہیں کہ میں نے گھر کی ایک جانب کی طرف اشارہ کر دیا، پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، اور اللہ اکبر کہہ کر آپ نے نماز شروع کر دی، ہم بھی صف باندھ کے آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، اور سلام پھیر دیا، (عتبان کہتے ہیں) اور ہم نے آپ کو خزیرہ [1] کھانے کیلئے روک لیا، جو آپ کے واسطے ہم نے تیار کیا تھا، اور (آپ کی اطلاع پا کے) محلّہ والوں میں سے بھی چند آدمی آ کے جڑ گئے، پس انہی میں سے کسی کہنے والے نے کہا، کہ مالک بن دخیشن (یا ابن دخشن) کہاں ہے؟ انہی میں سے کسی نے جواب دیا کہ "وہ تو منافق ہے، اللہ اور اسکے رسول سے اُسے محبت ہی نہیں ہے"۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یہ مت کہو کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ "لا الٰہ الا اللہ" کا قائل ہے، اور اس سے وہ اللہ کی رضا ہی چاہتا ہے"۔ اس کہنے والے شخص نے کہا کہ "اللہ اور اسکے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، ہم تو اس کا رخ اور اس کی خیر خواہی منافقوں کی طرف دیکھتے ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "یقیناً اللہ عزوجل نے دوزخ کی آگ پر اس شخص کو حرام کر دیا ہے، جس نے اخلاص کے ساتھ "لا الٰہ الا اللہ" کہا ہو، اور اس کا ارادہ اس کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا ہی ہو"۔

تشریح ۔۔۔ اس حدیث میں بھی "لا الٰہ الا اللہ" کہنے والے پر آتش دوزخ حرام ہونے کا مطلب وہی ہے، جو اسی مضمون کی سابقہ احادیث کی تشریح کے ضمن میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ بلکہ اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں بجائے "قال لا الٰہ الا اللہ" کے "یشہد ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ" ہے اور مراد ان دونوں ہی عنوانوں سے دعوتِ اسلام کو قبول کرنا اور دینِ اسلام کو بحیثیت دین کے اختیار کر لینا ہے، در اصل جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے عہدِ نبوی میں اسلام قبول کرنے اور اسلام کو اختیار کرنے کی یہ عام تعبیر تھی۔

یہاں ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہئے، کہ جن صحابی نے مالک بن دخشن کو منافق کہا تھا، ان کی نظر میں بھی مالک بن دخشن میں نفاق یا فسق و فجور کی کوئی بات اسکے سوا نہ تھی، کہ ان کے خیال میں مالک بن دخشن، منافقین سے تعلقات اور میل ملاقات رکھتے تھے۔

اس سے ایک طرف تو صحابہ کرامؓ کے ایمانی جذبے کا اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ اتنی سی بات سے بھی اس قدر ناراض ہوتے تھے اور اس کو منافقت سمجھتے تھے۔ اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی تنبیہ سے سبق ملتا ہے کہ جن لوگوں میں اس طرح کی کچھ کمزوریاں ہوں، مگر اپنے ایمان اور توحید و رسالت کی شہادت میں وہ مخلص ہوں، تو ان کے بارے میں ایسی بد گمانیاں اور اتنی سخت باتیں کرنی جائز نہیں، بلکہ ایمان کا پہلو زیادہ قابلِ لحاظ اور واجب الاحترام ہے۔

یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ یہ مالک بن دخیشن بھی رسول اللہ ﷺ کے ان صحابہ میں سے ہیں، جو عام غزوات میں حتیٰ کہ بدر میں بھی شریک رہے ہیں، ممکن ہے کہ منافقین سے تعلقات رکھنے میں حاطب بن

---

[1] خزیرہ ایک قسم کے کھانے کا نام ہے، جو گوشت کی بوٹیوں میں پانی چھوڑ کر پکایا جاتا ہے، جب وہ پک جاتا ہے، تو اس میں آٹا ڈال کر خوب پکاتے ہیں۔ ۱۲

اسی طرح ان کی بھی توجیہ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَمَعَنَا أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فِي نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا وَخَشِيْنَا أَنْ يُقْتَطَعَ دُوْنَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ ...... أَبْتَغِي رَسُوْلَ اللهِ ﷺ حَتّٰى أَتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ لِبَنِي النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِهِ هَلْ أَجِدُ لَهُ بَابًا فَلَمْ أَجِدْ فَإِذَا رَبِيْعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ (وَالرَّبِيْعُ الْجَدْوَلُ) قَالَ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ، قَالَ مَا شَأْنُكَ؟ قُلْتُ كُنْتَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَأَبْطَأْتَ عَلَيْنَا فَخَشِيْنَا أَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَأَتَيْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَ هٰؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِي فَقَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ فَقَالَ اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيْتَ مِنْ وَرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِيْتُ عُمَرُ، فَقَالَ مَا هَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، فَقُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بَعَثَنِي بِهِمَا مَنْ لَقِيْتُ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ، فَضَرَبَ عُمَرُ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَخَرَرْتُ لِاسْتِي فَقَالَ ارْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَرَجَعْتُ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَأَجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ وَرَكِبَنِي عُمَرُ وَإِذَا هُوَ عَلٰى أَثَرِي فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا لَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قُلْتُ لَقِيْتُ عُمَرَ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي بَعَثْتَنِي بِهِ فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَيَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاسْتِي فَقَالَ ارْجِعْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَا عُمَرُ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا فَعَلْتَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي أَبَعَثْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَإِنِّي أَخْشٰى أَنْ يَتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَخَلِّهِمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں حاضر تھے، اور) آپ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ بھی ہمارے ساتھ ہی اس مجلس میں تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھے (اور کسی طرف کو نکل گئے) اور پھر آپ کی واپسی میں بہت دیر ہو گئی، تو ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے، (یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن وغیرہ سے آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچ جائے)۔ پس اس خیال سے ہمیں سخت گھبراہٹ اور فکر لاحق ہوئی اور ہم لوگ (آپ کی جستجو میں) اٹھ کھڑے ہوئے، اور سب سے پہلے میں ہی گھبرا کے حضورؐ کی تلاش میں نکلا، یہاں تک کہ انصار کے خاندان بنی نجار کے ایک باغ پر پہنچ گیا، جو چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا، اور میں نے اس کے چاروں طرف پھر کر دیکھا کہ اندر جانے کیلئے مجھے راستہ مل جائے، لیکن نہیں ملا، پھر مجھے پانی کی ایک نالی (چھوٹی سی نہر) نظر پڑی، جو باہر کے ایک کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی (ابوہریرہؓ کہتے ہیں) میں سمٹ اور سکڑ کر اس میں سے باغ کے اندر

گھس گیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچا، حضور نے فرمایا "ابو ہریرہ؟" میں نے عرض کیا "ہاں یا رسول اللہ میں ہی ہوں"۔ آپ نے فرمایا "تم کیسے آئے؟" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے، پھر وہاں سے اٹھ کر چلے آئے، اور جب دیر تک آپ کی واپسی نہیں ہوئی، تو ہمیں خطرہ ہوا کہ مبادا ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی ایذا پہنچائی جائے، اسی خطرے سے گھبرا کے ہم سب چل پڑے، اور سب سے پہلے گھبرا کے میں ہی نکلا تھا، یہاں تک کہ میں اس باغ تک پہنچا، اور (جب مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا، تو) لومڑی کی طرح سمٹ سکڑ کے، میں (اس کول میں سے کسی طرح) گھس آیا ہوں اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں"۔ پھر حضورؐ نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ "میرے یہ جوتے لے کر جاؤ، اور اس باغ سے نکل کے جو آدمی بھی تمہیں ایسا ملے جو دل کے پورے یقین کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہو، اس کو جنت کی خوشخبری سنا دو"۔ (ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، میں وہاں سے چلا) تو سب سے پہلے میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی، انہوں نے مجھ سے پوچھا "ابو ہریرہ! تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتیاں کیسی ہیں؟"۔ میں نے کہا "یہ حضور (ﷺ) کی نعلین مبارک ہیں، حضورؐ نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے، کہ جو کوئی بھی اس سے "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دینے والا مجھے ملے، میں اس کو جنت کی خوشخبری سنا دوں"۔ (ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ) اس پر عمرؓ نے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا، جس سے میں اپنی سرینوں کے بل پیچھے کو گر پڑا، اور مجھ سے انہوں نے کہا "پیچھے کو لوٹو"۔ میں روتا ہوا حضورؐ کے پاس واپس آیا، اور عمرؓ بھی میرے پیچھے پیچھے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا "ابو ہریرہ! تمہیں کیا ہوا؟" میں نے عرض کیا کہ عمرؓ مجھے ملے تھے، حضور نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا تھا، میں نے وہ انہیں بتلایا، تو انہوں نے میرے سینے پر ایک ایسی ضرب لگائی جس سے میں اپنی سرینوں کے بل گر پڑا، اور مجھ سے کہا کہ پیچھے لوٹو۔ رسول اللہ ﷺ نے عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا "عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟" انہوں نے عرض کیا "حضور پر میرے ماں باپ قربان ہوں! کیا آپ نے ابو ہریرہؓ کو اپنے نعلین مبارک دے کر یہ کہہ کے بھیجا تھا، کہ جو کوئی بھی دل کے یقین کے ساتھ "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دینے والا ان کو ملے، وہ اس کو جنت کی بشارت دے دیں؟" حضورؐ نے فرمایا ہاں! میں نے ہی یہ کہہ کے بھیجا تھا۔ عمرؓ نے عرض کیا "حضور ایسا نہ کیجئے، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں لوگ بس اس شہادت ہی پر بھروسہ کر کے (سعی و عمل سے بے پرواہ ہو کے) نہ بیٹھ جائیں، لہٰذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجئے۔" حضورؐ نے فرمایا "تو جانے دو"۔

تشریح ...... اس حدیث میں چند چیزیں وضاحت طلب ہیں:

۱) رسول اللہ (ﷺ) نے اس موقع پر حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی نعلین مبارک کیوں عطا فرمائیں؟ شارحین نے اسکی توجیہ میں اگرچہ کئی باتیں کہی ہیں، لیکن ان سب میں زیادہ قرین قیاس یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو آپ نے جس بشارت عظمیٰ کے اعلان کیلئے بھیجا تھا، اس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے آپ نے اپنی کوئی خاص نشانی بھی ان کے ساتھ کر دینا مناسب سمجھا، اور اس وقت آپ کے پاس ایسی چیز جو اس مقصد کیلئے آپ انکو دے سکتے تھے، یہ نعلین مبارک ہی تھیں، اسلئے وہی آپ نے انکو عطا فرمادیں۔ واللہ اعلم۔

۱۔ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ جو سختی کا معاملہ فرمایا اس کی صحیح نوعیت کو سمجھنے کیلئے حضرت عمرؓ کی اس امتیازی حیثیت کو پیش نظر رکھنا چاہئے، جو صحابہ کرامؓ کی جماعت میں ان کو حاصل تھی، یعنی وہ (اور حضرت ابوبکرؓ بھی) حضور (ﷺ) کے خاص شریک کار، محرم راز، مشیر خصوصی اور گویا آپ کے وزیر و نائب تھے اور صحابہ کرامؓ عام طور سے انکے اس امتیازی مقام کو پہچانتے تھے اور جس طرح ہر جماعت اور ہر خاندان کا بڑا اپنے چھوٹوں کو تنبیہ اور سرزنش کا حق رکھتا ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ بھی یہ حق رکھتے تھے اور بسا اوقات حسب ضرورت اس حق کو آپ استعمال بھی فرماتے تھے، اور واقعہ یہ ہے کہ چھوٹوں کی اصلاح و تربیت کیلئے بڑوں کے واسطے اس حق کا ماننا ضروری بھی ہے، پس حضرت عمرؓ نے اس واقعہ میں حضرت ابوہریرہؓ کیساتھ جو تشدد کیا، وہ حقیقتاً اسی قبیل سے ہے، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابتداءً ان سے واپس ہونے کو کہا ہوگا، لیکن وہ چونکہ تمام اہل ایمان کے لئے ایک بشارت عظمیٰ کا پروانہ لے کر آرہے تھے اور ان کے نزدیک یہ ایک بڑی سعادت تھی جو انہیں حاصل ہو رہی تھی، اسلئے انہوں نے واپس ہونے سے انکار کیا ہوگا، اور بالآخر حضرت عمرؓ نے ان کو واپس لوٹانے کیلئے اس جبر و تشدد سے کام لیا ہوگا، کیونکہ ان کو مقام نبوت اور شئون نبوت کی پوری شناسائی کی وجہ سے اسکا کامل یقین تھا کہ اس بشارت عامہ کا معاملہ جب حضور (ﷺ) کے سامنے آئیگا تو آپ بھی اسکو خلاف مصلحت ہی سمجھیں گے، اور اس کی عام اشاعت سے منع فرمادیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے، کہ ایک دفعہ رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت معاذؓ کو بھی ایسی ہی بشارت سنائی تھی (وہ حدیث اوپر گزر چکی ہے) اس وقت حضرت معاذؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی تھی، کہ وہ سب مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنادیں، تو حضور نے اجازت نہیں دی تھی، اور اجازت نہ دینے کی وجہ بھی بیان فرمائی تھی کہ لوگ اسی پر بھروسہ کرکے دینی ترقیوں سے رہ جائیں گے۔

۲۔ اس حدیث میں بھی صرف "لا الہ الا اللہ" کی شہادت پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، سو اس کی ایک عام توجیہ تو وہی ہے، جو مندرجہ بالا احادیث کے ذیل میں ذکر کی جا چکی ہے، ماسوا اسکے اس حدیث کے الفاظ میں اس احتمال کی بھی کافی گنجائش ہے، کہ حضور (ﷺ) کا مطلب اس ارشاد سے صرف یہ ہو کہ جو کوئی "لا الہ الا اللہ" کی شہادت دے، یعنی صدق دل سے دین توحید (اسلام) پر ایمان لائے، اس کو خوشخبری دے دی جائے کہ وہ ضرور جنت میں جائے گا، اگرچہ گناہوں کی سزا پانے کے بعد ہی جائے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

اسکے سوا ایک خاص نکتہ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے، کہ مقربین بارگاہ قدس پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے بے پناہ قہر و جلال اور شان غضب و انتقام کا جب خاص انکشاف ہوتا ہے، تو ان پر ہیبت اور خوف کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور اس وقت کا ان کا احساس یہ ہوتا ہے کہ شاید کسی بھی گنہگار کی نجات نہ ہو سکے گی، اور اس خاص حال میں ان کے ارشادات اس طرح کے ہوتے ہیں، کہ جو یہ گناہ کرے گا جنت میں نہیں جاسکے گا، جو وہ گناہ کرے گا، جنت کی ہوا بھی نہیں پاسکے گا، وغیرہ وغیرہ۔۔ اور اسی طرح جب دوسرے بعض

اوقات میں ان پر اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت اور اسکے بے حساب اور بے اندازہ فضل و کرم کا انکشاف ہوتا ہے، تو ان پر رجا اور امید رحمت کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اس عالم میں ان کا ادراک و احساس یہ ہوتا ہے کہ جس میں کچھ بھی ذرۂ خیر ہو گا وہ بخشا ہی جائے گا، اور ایسے ہی احوال میں ان حضرات کی زبانوں سے اس طرح کی عام بشارتیں نکلتی ہیں۔۔۔۔ اسی نکتے کو عارف شیرازی نے اس طرح ادا کیا ہے۔

تہدید گر برکشد تیغ حکم بمانند کروبیاں صم وبکم

وگر دردہد یک صلائے کرم عزازیل گوید نصیبے برم

پس حدیث مندرجہ بالا کے بارے میں یہ بھی بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جس وقت بنی النجار کے اس باغ میں حضور ﷺ کے پاس پہنچے ہوں، تو اس وقت آپ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شئون رحمت اور تجلیات کرم کے مراقبے و مشاہدے میں مستغرق ہوں، اور اسی حالت میں آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بطور نشانی اپنی نعلین مبارک عطا فرما کر ہر شاہد توحید کو جنت کی خوشخبری سنا دینے کا حکم دے دیا ہو، لیکن حضرت عمرؓ چونکہ اس پوری حقیقت کے رازداں اور ان احوال و کیفیات کے اتار چڑھاؤ سے باخبر تھے، اسلئے انھوں نے حضور ﷺ سے براہِ راست مراجعت و تحقیق تک حضرت ابوہریرہؓ کو اسکے اعلان عام سے روکا ہو، دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے، کہ حضرت عمرؓ پر اس وقت رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کی اس خاص کیفیت (یعنی غلبہ رجا و رحمت) کا انکشاف منجانب اللہ ہو چکا تھا، اور ان کو اپنے نور فراست سے اس بات کا یقین تھا کہ جب آنحضرت ﷺ پر اس کیفیت کا غلبہ نہیں رہے گا، اور اس اعلان کا دوسرا پہلو آپ کے سامنے رکھا جائے گا، تو خود آپ اس کو منع فرما دیں گے، جیسا کہ عملاً پیش آیا۔۔۔۔ اس طرح کے مواقع پر صحیح حقیقت کا ادراک و انکشاف حضرت عمرؓ کی امتیازی فضیلت ہے، جس کو حدیث نبوی میں "محدثیت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک اور اصولی بات جس سے اس طرح کی بہت سی حدیثوں کا اشکال حل ہو جاتا ہے

اس قسم کی آیات یا احادیث پر غور کرتے وقت ایک اصولی بات یہ بھی ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ اس قسم کی بشارتوں میں متکلم کا مقصد اور قطع نظر کسی عمل خیر کی ذاتی خاصیت اور اسکا اصلی اثر بتلانا ہوتا ہے، قطع نظر اس سے کہ اگر دوسرے اعمال کا تقاضا اسکے خلاف ہو، تو پھر انجام کیا ہو گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ طب کی کتابوں میں اسی اصول پر دواؤں کے خواص بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً لکھا جاتا ہے، کہ جو شخص اطریفل استعمال کرتا رہے گا، وہ ہمیشہ نزلہ سے محفوظ رہے گا، اب اس سے یہ سمجھ لینا کہ جو شخص اطریفل کھانے کے ساتھ ساتھ تیل، ترشی وغیرہ انتہائی درجے کی نزلہ پیدا کرنے والی چیزیں بھی برابر کھاتا رہے، اس کو بھی کبھی نزلہ نہ ہو گا، سخت نافہمی اور اطبا کے طرز کلام سے ناواقفی ہے۔

اس اصول کی روشنی میں اس قسم کی حدیثوں کا مدعا صرف اتنا ہی ہے کہ توحید و رسالت کی شہادت کا ذاتی اقتضاء یہی ہے کہ ایسا آدمی عذاب دوزخ سے محفوظ رہے، اور جنت میں جائے، لیکن اگر اسنے اپنی بدبختی سے کچھ ایسے بد اعمال بھی کئے ہیں جن کا ذاتی اقتضاء قرآن و حدیث میں عذاب پانا، اور دوزخ میں جانا ہی بتلایا

گیا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہی دکھائیں گے۔

اگر یہ چھوٹا سا نکتہ ملحوظ رکھا جائے، تو وعدہ و وعید اور ترغیب و ترہیب کے سلسلہ کی صدہا حدیثوں کے بارے میں لوگوں کو غلط فہمی اور اس کی وجہ سے جو الجھن ہوتی ہے، وہ ان شاء اللہ نہ ہوگی۔

(۱۹) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيْرَةً ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً۔

(رواه البخاری و مسلم واللفظ له)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "دوزخ میں سے وہ سب لوگ نکال لئے جائیں گے جنھوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا، اور ان کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی، پھر وہ لوگ بھی نکالے جائیں گے جنھوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا، اور ان کے دل میں گیہوں کے دانے برابر بھی بھلائی تھی اور اسکے بعد وہ لوگ بھی نکالے جائیں گے جنھوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا، اور ان کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی تھی۔

تشریح: جیسا کہ بعض احادیث سابقہ کی تشریح میں مفصل اور مدلل طور پر لکھا جا چکا ہے اسی طرح اس حدیث میں بھی "لا الٰہ الا اللہ" کہنے سے مراد "دین اسلام" قبول کرنا اور اس کا اقرار کرنا ہے اور اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں، اور اپنے کو اسلام سے وابستہ کرتے ہوں، اور ان کے دل میں ذرہ برابر خیر (یعنی نور ایمان) ہو، تو وہ بالآخر دوزخ سے نکال ہی لئے جائیں گے، اس روایت میں تین جگہ 'خیر' کا لفظ آیا ہے، جس کا ترجمہ ہم نے بھلائی کیا ہے، لیکن حضرت انسؓ کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں (جس کو امام بخاری نے بھی ذکر کیا ہے) بجائے خیر کے ایمان کا لفظ بھی آیا ہے، جو اس بات کا صاف قرینہ ہے کہ یہاں خیر سے مراد نور ایمان ہی ہے۔

اس حدیث سے دو نہایت اہم باتیں جو اہل حق کے خاص اجماعی عقائد میں سے ہیں، پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ بہت سے لوگ کلمہ اسلام پڑھنے کے باوجود اپنی بداعمالیوں کے سبب دوزخ میں بھی ڈالے جائیں گے۔

اور دوسرے یہ کہ اگر ان کے دلوں میں خفیف سے خفیف اور ضعیف سے ضعیف، حتیٰ کہ (حدیث کی تصریح کے مطابق) ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، تو بالآخر وہ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کا مومن بھی کافروں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے۔ اگرچہ وہ اعمال کے لحاظ سے کیسا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو۔

اس مضمون کی حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں حضرت انسؓ کے علاوہ حضرت ابو سعید خدریؓ حضرت جابرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہیں، اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ مضمون ان حضرات

اسلام، ہجرت اور حج سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

(۲۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْإِسْلَامَ فِىْ قَلْبِىْ اَتَيْتُ النَّبِىَّ ﷺ فَقُلْتُ اُبْسُطْ يَمِيْنَكَ فَلْأُبَايِعْكَ فَبَسَطَ يَمِيْنَهُ فَقَبَضْتُ يَدِىْ فَقَالَ مَالَكَ يَا عَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ قُلْتُ اَنْ يُّغْفَرَلِىْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو اَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ. (رواہ مسلم)

حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کا خیال میرے دل میں ڈالا، تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں، پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ آگے کر دیا، پس میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، تو آپ نے فرمایا عمرو! تمہیں کیا ہوا؟ (یعنی تم نے اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟) میں نے عرض کیا میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا یہ کہ میری خطائیں بخش دی جائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے، کہ اسلام قبول کرنا پچھلے سب گناہوں کو ڈھا دیتا ہے، اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج بھی پہلے گناہوں کو زائل کر دیتا ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے گناہوں کی مغفرت کے بارے میں اسلام کے علاوہ ہجرت اور حج کی تاثیر کا ذکر اس موقع پر یہ ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ اسلام تو اسلام، اسکے بعض اعمال میں بھی گناہوں سے پاک صاف کر دینے کی خاصیت ہے ۔۔۔ لیکن دو باتیں یہاں خاص طور سے قابل لحاظ ہیں، ایک یہ کہ اسلام لانے اور ہجرت یا حج کرنے کی یہ تاثیر اس صورت میں ہے، جبکہ یہ کام صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ کئے جائیں ۔۔۔ دوسرے یہ کہ دلائل شرعیہ سے یہ بات اپنی جگہ ثابت شدہ ہے، کہ اگر کسی کے ذمے اللہ کے بندوں کے حقوق ہیں، خصوصاً مالی حقوق تو اسلام یا ہجرت یا حج سے وہ معاف نہیں ہوتے، ان کا معاملہ حقداروں ہی سے صاف کرنا ضروری ہے۔

کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہو کر اسلام قبول کرنے والوں کے پچھلے گناہوں کی معافی کا وعدہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

"قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ"

(اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا کہ اگر وہ باز آ جائیں، تو ان کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے)۔

(۲۱) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهُ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذَالِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى

سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ سے سنا، آپ فرماتے تھے، کہ "جب بندہ اسلام قبول کر لیتا ہے اور اس کا اسلام اچھا ہوتا ہے، تو جو برائیاں اس نے پہلے کی ہوتی ہیں اللہ اسلام کی برکت سے ان سب کو معاف کر دیتا ہے اور اس کے بعد اس کی نیکیوں اور بدیوں کا حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی پر دس گنے سے لیکر سات سو گنے تک ثواب دیا جاتا ہے اور برائی کرنے پر وہ اسی ایک برائی کی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اِلا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر فرمائے اور معاف ہی فرمادے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے دین (اسلام) کو اپنا دین بنانے سے اور مسلمان ہو جانے سے پچھلے گناہ معاف ہونے کی یہ شرط ہے کہ اسلام کا حسن بھی زندگی میں آجائے (یعنی اس کا قلب و باطن نورِ اسلام سے منور اور قالب وظاہر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے مزین اور آراستہ ہو جائے۔ فحسن اسلامہ کا یہی مطلب ہے۔ پس اگر کسی شخص کی زندگی اسلام میں آجانے کے بعد بھی نورِ اسلام اور اسلام کے حسن سے خالی رہی، اور اس کے ظاہر و باطن پر اسلام کا رنگ نہیں چڑھا، تو پچھلے سب گناہوں سے معافی کا یہ اعلان اس کے لئے نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک دیئے جانے کا الٰہی قانون بھی انہی بندوں کے لئے ہے جنہوں نے اسلام کا یہ حسن اپنے اندر پیدا کر لیا ہو، اور اس حسن کی کمی بیشی کے حساب سے ہی نیکیوں کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک ملے گا۔

ایمان لانے کے بعد جان و مال معصوم و محفوظ ہو جاتے ہیں

۲۲) **عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ۔** (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ کے قائل نہ ہو جائیں، پس جو شخص کا قائل ہو گیا اسنے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کر لیا، سوائے اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے"۔

حضرت عمرؓ سے اس حدیث کی روایت اس مکالمہ کے ضمن میں آئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کرنے والے بعض قبائل کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں ان کے اور حضرت ابو بکر صدیق کے درمیان ہوا تھا۔

اس حدیث میں بھی "لا الٰہ الا اللہ" کہنے سے مراد دعوتِ اسلام کا قبول کرنا ہے، اور جس طرح مذکورہ سابق احادیث میں اسلام قبول کرنے کا اخروی نتیجہ عذابِ دوزخ سے نجات اور حصولِ جنت بتایا گیا ہے، اسی طرح اس حدیث میں قبولِ اسلام کا ایک دنیوی اور قانونی نتیجہ جان و مال کا محفوظ و مامون ہو جانا بتلایا گیا ہے۔

نیز اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اسلامی جنگ کے متعلق ایک نہایت اہم اور اصولی اعلان بھی فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ ہماری جنگ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں، کہ اللہ کے بندوں کو اس کی بندگی کے رستے پر لگایا جائے، اور ان کو عذاب ابدی سے نجات دلائی جائے، لہٰذا جو کوئی اللہ کے دین کو قبول کرلے، اور اللہ ہی کی بندگی کا اقرار کر کے اس کے مقرر کئے ہوئے طریقۂ زندگی (دینِ اسلام) کو اپنا دین بنالے، اس کے جان و مال کو ہماری طرف سے بالکل امن ہے۔

"اِلَّا بِحَقِّهٖ" کا مطلب یہ ہے کہ البتہ اگر اس نے اسلام اختیار کرنے کے بعد کوئی ایسا جرم کیا کہ خود اللہ کے قانون کا تقاضا اس کو جانی یا مالی سزا دینے کا ہوا، تو خداوندی حکم کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی، اور "لا الٰہ الا اللہ" کہنے اور مسلمان کہلانے کی وجہ سے وہ اس قانونی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

"وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ" کا مطلب یہ ہے، کہ جو شخص کلمہ اسلام پڑھ کے اپنا ایمان لانا ہمارے سامنے ظاہر کرے گا، ہم اس کو مؤمن اور مسلم تسلیم کرکے اس کے خلاف جنگ بند کردیں گے، اور اس کے ساتھ ایمان و اسلام ہی کا معاملہ کریں گے، لیکن اگر فی الواقع اس کی نیت میں کوئی برائی، اور اس کے دل میں کوئی کھوٹ ہوگی، تو اس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ پر ہے، جو عَالِمُ الْغَيْبِ اور عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے، وہی اس سے حساب کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ اور طارق اشجعیؓ سے بھی روایت کی گئی ہے، اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بھی روایت کیا ہے، جس سے اس حدیث کے مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت ہوجاتی ہے، ہم ان میں سے بعض روایات ذیل میں درج بھی کرتے ہیں۔

۲۳) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيُؤْمِنُوْا بِیْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دیں، اور مجھ پر اور جو ہدایت میں لیکر آیا ہوں اس پر ایمان لے آئیں، سو جب وہ ایسا کرلیں، تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا، سوائے اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے"۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ اس سے پہلی حدیث میں "لا الٰہ الا اللہ" کے قائل ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے دعوتِ اسلام کا قبول کرنا ہی مراد ہے۔

۲۴) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ**

وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں اس وقت تک کہ وہ اس بات کی شہادت ادا کریں (یعنی اس کا اقرار و اعلان کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے پیغمبر ہیں، اور نماز قائم کرنے لگیں، اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں، پس جب وہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا سوائے حق اسلام کے، اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت کے علاوہ نماز قائم کرنے، اور زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی ذکر ہے ۔۔۔ اور در حقیقت ان دو رکنوں کا ذکر بھی صرف تمثیل اور نشانی کے طور پر کیا گیا ہے، ورنہ یہاں بھی مراد یہی ہے کہ اللہ کے دین پر ایمان لے آئیں، اور دعوت اسلام کو قبول کر لیں، جس کو حضرت ابوہریرہؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں "وَیُؤْمِنُوْا بِیْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ" (اور مجھ پر ایمان لائیں، اور جو ہدایت میں لایا ہوں اس پر ایمان لائیں) کے مختصر مگر جامع الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

(۲۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، فَاِذَا قَالُوْهَا وَصَلَّوْا صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَاَكَلُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَاَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں، یہاں تک کہ وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے قائل ہو جائیں، پس جب وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے قائل ہو جائیں اور ہماری نمازیں پڑھنے لگیں، اور (اپنی نمازوں میں) ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرنے لگیں، اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں، تو ان کے خون اور ان کے مال ہم پر حرام ہو گئے سوائے اسکے حق کے، اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں شہادت توحید کے ساتھ نماز پڑھنے اور نماز میں قبلہ اسلام کی طرف رخ کرنے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھانے کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اور حقیقت ان تمام چیزوں کا ذکر بھی بطور علامت اور نشانیوں ہی کے کیا گیا ہے، اور اصل مقصد اس حدیث کا بھی احادیث مندرجہ بالا کی طرح صرف اتنا ہی ہے کہ ہماری جنگ جس کسی سے بھی ہے صرف دین کی خاطر، اور لوگوں کو کفر و شرک کی گمراہی سے نکال کر راہ حق پر لانے کیلئے ہے، پس جو لوگ یہ راہ روی چھوڑ کر اللہ کی نازل ہوئی سیدھی راہ اختیار کر لیں اور دین حق کی دعوت کو قبول کر لیں، ان کے جان و مال سے تعرض کرنا ہمارے لئے حرام ہے اور چونکہ اس زمانہ اور اس ماحول میں ایمان و اسلام کی ظاہری علامات یہی تھیں کہ آدمی مسلمانوں کے طریقے پر نماز پڑھنے لگے، اور نماز میں کعبہ کی طرف رخ کرنے لگے، اور مسلمانوں کے ذبیحہ سے پرہیز نہ کرے، اس لئے رسول اللہ

نے علامات ہی کے طور پر ان چیزوں کا بھی ذکر کر دیا۔

اور اسی حدیث کی سنن ابی داؤد کی روایت میں وحسابهم على الله کی جگہ آخری الفاظ یہ ہیں۔ لهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دعوت اسلام کو قبول کر لیں، نہ صرف یہ کہ ہماری جنگ ان کے خلاف ختم ہو جائیگی اور ان کے جان و مال کو امان حاصل ہو جائے گی، بلکہ پھر وہ تمام حقوق اور ذمہ داریوں میں بالکل ہمارے برابر ہوں گے۔

ان حدیثوں کے بارے میں ایک شبہ اور اس کا جواب

ان احادیث پر سرسری نظر میں ایک شبہ ہوتا ہے، بعض شارحین حدیث نے خود ہی اس کو ذکر کر کے مختلف جوابات بھی دیئے ہیں، وہ شبہ یہ ہے کہ اسلام میں جزیہ اور مناسب شرائط کے ساتھ مصالحت کا اصول بھی مسلم ہے، اور ان دونوں صورتوں پر بھی جنگ ختم ہو جاتی ہے، لیکن ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ صرف اس وقت روکی جائے گی جبکہ لوگ دعوت اسلام قبول کر لیں۔

راقم سطور کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کا مقصد اور موضوع جنگ کو روک دینے اور اس کو ختم کر دینے کی صورتیں بتلانا نہیں ہے، بلکہ ان ارشادات میں حضور کا مطمح نظر صرف دو چیزوں کو واضح کرنا ہے، ایک یہ کہ ہماری جنگ کی غایت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ لوگ اللہ ہی کی عبادت کرنے لگیں، اور اسکی متعین کی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے لگیں، یعنی دعوت اسلام کو قبول کر لیں، اور دوسرے یہ کہ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں گے، ان کے جان و مال کو ہماری طرف سے قطعی امن ہو گا، بلکہ حقوق اور ذمہ داریوں میں وہ دوسرے مسلمانوں کے بالکل مساوی ہوں گے۔

رہا جزیہ یا خاص حالات میں خاص شرائط کے ساتھ مصالحت، سو اگرچہ یہ بھی جنگ ختم کر دینے کی صورتیں ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ اسلامی جنگ کی اصل غایت نہیں ہیں، بلکہ چونکہ ان کے ذریعے اصل مقصد یعنی دعوت اسلام کیلئے ایک پر امن راہ کھل جاتی ہے اسلئے ان پر جنگ روک دی جاتی ہے۔

ایمان و اسلام کی چند ظاہری نشانیاں

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ.

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو کوئی ہماری ہی نماز پڑھے، اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے، بس یہ وہ مسلم ہے جس کے لئے اللہ کی امان ہے اور اللہ کے رسول کی امان ہے، سو تم اللہ کے عہد میں غداری نہ کرو اس کی امان کے بارے میں"۔

اس حدیث کا مقصد سمجھنے کیلئے یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ حضور ﷺ کے عہد مسعود میں جب دعوت اسلام طاقت اور قوت کے ساتھ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی، تو بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے کہ بعض لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے، لیکن خاص حالات میں ان کے متعلق اس شبہ کی

وجہ سے کسی ایسے شخص کی تکفیر نہ کی جائے، اور اسکے خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائے، جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو۔ اسکے بارے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رکھنے کی ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہونے کا مطلب وہی ہے جو پہلے بھی بار بار بیان کیا جا چکا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی دینی دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہو جانا، پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ عہد نبوی میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو جانا اسلام قبول کر لینے کا عنوان تھا، خود ہماری زبان اردو میں بھی اسی محاورہ کے مطابق "کلمہ پڑھ لینے" کا مطلب اسلام قبول کر لینا سمجھا جاتا ہے۔

دوسری بات یہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ اس حدیث میں کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے، گویا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے امت کو اس غلطی اور گمراہی سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے، جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہوئے، وہ صرف معاصی اور بداعمالیوں کی بناء پر بھی آدمی کو اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں، اور اہل سنت کا مسلک اس حدیث نبوی کے مطابق یہی ہے کہ کوئی مسلمان صرف اپنی بدعملی اور اپنے معاصی کی وجہ سے اسلام سے نہیں نکلتا اور کافر نہیں ہو جاتا۔

الغرض حدیث کے اس جزء کا مقصد و مدعا یہی ہے کہ جب ایک شخص کلمہ پڑھ کر ایمان لے آیا، اور اسلام کو اپنا دین بنالیا تو اسکے بعد اگر اس سے گناہ سرزد ہوں، اور وہ بداعمالیوں میں مبتلا دیکھا جائے تو صرف بدعملی کی اس خرابی کی وجہ سے اس کو کافر اور خارج از اسلام نہ قرار دیا جائے۔ پس ایسے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے، جو کسی ایسی چیز کا انکار کر کے خود ایمان و اسلام کے دائرے سے نکل جائیں جس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔

فرض کیجئے کہ کوئی شخص جو کلمہ پڑھتا ہے اور اپنے کو مسلمان کہتا ہے، قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے سے منکر ہے، یا قیامت اور آخرت کا انکار کرتا ہے، یا خدا کی وحدت کا منکر ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ مسلمان نہیں رہے گا اور اس کو لازماً کافر اور خارج از اسلام قرار دیا جائے گا۔ لیکن یہ تکفیر کسی بدعملی اور فسق و فجور کی وجہ سے نہ ہوگی، بلکہ اصول دین کے انکار کی وجہ سے ہوگی۔

بہر حال ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ملحوظ رہنا چاہئے، بعض لوگ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اس حدیث کو بہت غلط استعمال کرتے ہیں۔

اس حدیث میں جہاد کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ میری بعثت سے لیکر وہ اس وقت تک جاری رہے گا جبکہ میری امت کا آخری طبقہ دجال کے خلاف جہاد کریگا، کسی ظالم کا ظلم اور منصف کا عدل و انصاف اسکو ختم نہیں کریگا۔ اس آخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کی حکومت کا انتظام غلط ہاتھوں میں ہو اور حکمران خدا کے نافرمان اور ظالم ہوں، تب بھی جہاد ساقط نہ ہوگا اور کسی کیلئے یہ عذر کرنا صحیح نہ ہوگا کہ ہم ان غلط کار حاکموں کی ماتحتی میں جہاد نہیں کریں گے، بلکہ حکومت پر تسلط خواہ اچھوں کا ہو یا بروں کا بہر حال انکی ماتحتی میں جہاد کرنا ہوگا۔

دین و ایمان کے شعبے اور انکی شاخیں

(۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ

کوتاہی ظاہر ہوئی تھی اس کی اصلاح کیلئے آپ نے یہ خصوصی انتباہ فرمایا، جیسا کہ صاحب حکمت معلمین و مصلحین کا طریقہ ہوتا ہے، یا پھر حیا کے متعلق خصوصیت سے یہ تنبیہ اسلئے فرمائی گئی کہ انسانی اخلاق میں حیا کا مقام نہایت بلند ہے، اور حیا ہی وہ خصلت ہے جو آدمی کو بہت سے معاصی اور بہت سی برائیوں سے روکتی ہے، اور اسی وجہ سے ایمان اور حیا کے درمیان ایک خاص رشتہ ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حیا صرف اپنے ہم جنسوں ہی سے نہیں کی جاتی، بلکہ سب سے زیادہ جس کی حیا ہم کو ہونی چاہئے، وہ ہمارا خالق و پروردگار حق تعالیٰ ہے، عام لوگ بڑا بے حیا اور بے ادب اس کو سمجھتے ہیں جو اپنے بڑوں کا پاس لحاظ نہ کرے، اور ان کے سامنے بے حیائی کے کام اور بری باتیں کرے، لیکن فی الحقیقت سب سے بڑا بے حیا و بد بخت انسان وہ ہے جو اپنے مولا سے نہیں شرماتا، اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت مجھے اور میرے فعلوں کو بے حجاب دیکھتا اور میری باتوں کو بلاواسطہ سنتا ہے، اسکے سامنے وہ برے کام اور نازیبا حرکتیں کرتا ہے۔

پس اگر آدمی میں حیا کا خلق پوری طرح بیدار اور کارفرما ہو، تو نہ صرف یہ کہ اسکے ہم جنسوں کی نظروں میں اسکی زندگی پاکیزہ اور ستھری ہوگی بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معصیات کا صدور بھی بہت کم ہوگا۔

جامع ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک دن اپنے اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

"اِسْتَحْيُوا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالُوا اِنَّا نَسْتَحْيِيْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ فَقَالَ لَيْسَ ذَالِكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا حَوٰى وَالْبَطْنَ وَمَا وَعٰى وَتَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَقَدِ اسْتَحْيَا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ"

اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اس سے حیا کرنی چاہئے، مخاطبین نے عرض کیا الحمد للہ ہم خدا سے حیا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں ان سب کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی اور جو کچھ اس میں بھرا ہوا ہے اس سب کی نگرانی کرو (یعنی برے خیالات سے دماغ کی، اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت اور موت کے بعد قبر میں تمہاری جو حالت ہونی ہے اس کو یاد رکھو، جس نے یہ سب کچھ کیا، سمجھو کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق اس نے ادا کیا۔

ایمان کے بعض تکمیلات و ثمرات

(۲۹) **عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا الْاِيْمَانُ؟ قَالَ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ۔**

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور برے کام سے رنج و قلق ہو، تو تم مومن ہو۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان کے خاص آثار اور علامات میں سے یہ ہے کہ آدمی جب کوئی نیک

عمل کرے، تو اسکے دل کو فرحت و مسرت ہو، اور جب اس سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو اسکو رنج و غم ہو، جب تک آدمی کے ضمیر میں یہ حس باقی رہے، سمجھنا چاہئے کہ ایمانی روح زندہ ہے اور یہ احساس اسکا ثمرہ ہے۔

ایمان سے حاصل ہونے والی خاص لذت اور حلاوت

٣٠) **عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا۔** (رواہ مسلم)

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ ایمان کا مزہ اس نے چکھا اور اس کی لذت اسے ملی، جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔ (مسلم)

اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح لذیذ اور ذائقہ دار مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے، جس کو صرف وہی آدمی پا سکتا ہے جس کی قوت ذائقہ کسی بیماری کی وجہ سے ماؤف اور خراب نہ ہوگئی ہو اسی طرح ایمان میں ایک خاص لذت اور حلاوت ہے، لیکن وہ ان ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جنہوں نے پوری خوش دلی اور رضامندی کے ساتھ اللہ کو اپنا مالک اور پروردگار، اور حضرت محمد ﷺ کو نبی و رسول اور اسلام کو اپنا دین اور زندگی کا دستور بنا لیا ہو اور اللہ کی بندگی، حضرت محمدؐ کی اطاعت اور طریقہ اسلام کی پیروی کو اسکے دل نے اپنا لیا ہو، یعنی اللہ و رسول اور اسلام کے ساتھ ان کا تعلق محض رسمی اور موروثی یا محض عقلی اور دماغی نہ ہو، بلکہ ان کے ساتھ دلی گرویدگی ہو، اسی حدیث میں "رضی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جسکو یہ نصیب نہیں، یقیناً ایمانی لذت و حلاوت میں بھی اس کا کوئی حصہ نہیں، اور اس کا ایمان کامل نہیں۔

٣١) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ۔** (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی، جس میں تین باتیں پائی جائیں گی ایک یہ کہ اللہ و رسول کی محبت اس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اسکو محبت ہو صرف اللہ ہی کیلئے ہو، اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اسکو اتنی نفرت اور اتنی اذیت ہو جتنی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب وہی ہے، جو اس سے پہلی والی حدیث کا تھا، صرف تعبیر کا تھوڑا سا فرق ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی آدمی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اللہ و رسول کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ ہر چیز سے زیادہ اس کو اللہ و رسول کی محبت ہو اور اس محبت کا اسکے دل پر ایسا قبضہ اور تسلط ہو کہ اگر کسی اور سے وہ محبت بھی کرے تو اللہ ہی کیلئے کرے اور اللہ کا دین اسلام اس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اس سے پھرنے اور اس کو چھوڑنے کا خیال اس کیلئے آگ میں گر جانے کے برابر تکلیف دہ ہو۔

(۳۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہی ہو سکتی ہے اور ایک مسلمان پورا مؤمن تب ہی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے تمام دوسرے آدمیوں سے حتیٰ کہ اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اس کو رسول اللہ (ﷺ) کی محبت ہو۔

اس سے پہلی حدیث میں تمام ماسوا سے زیادہ اللہ و رسول کی محبت اور اسلام کی محبت کو "حلاوت ایمان" حاصل ہونے کی شرط بتلایا گیا تھا، اور اس حدیث میں صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ و رسول کی اور اسلام کی محبت میں باہم ایسا تعلق ہے کہ یہ ایک دوسرے سے الگ ہو کر ہرگز نہیں پائی جا سکتیں، اللہ تعالیٰ سے اور اسلام سے صحیح محبت بغیر رسول کی محبت کے ناممکن ہے، اور اسی طرح اللہ کی اور اسلام کی محبت کے بغیر رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تصور نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اللہ کے رسول سے جو محبت بحیثیت رسول کے ہوگی، وہ درحقیقت اللہ ہی کی وجہ سے اور اللہ ہی کے تعلق سے ہوگی، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام سے بھی پوری محبت ہوگی، اسلئے اس حدیث میں کمال ایمان کی شرط کے طور پر صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ذکر کر دیا گیا ہے، اور مطلب وہی ہے کہ ایمانی انوار و برکات صرف ان ہی خوش نصیبوں کو حاصل ہو سکتے ہیں، جن کے دلوں پر اللہ و رسول کی اور اسلام کی محبت کا ایسا غلبہ ہو کہ دوسری تمام محبتیں اس سے دبی ہوئی ہوں۔

ان حدیثوں میں اللہ و رسول کی محبت کا جو مطالبہ کیا گیا ہے، اس کی مراد متعین کرنے میں شارحین حدیث کا کلام کچھ مختلف سا ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے لئے ان کا مطلب و مقصد سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے، حالانکہ جو حقیقت ان حدیثوں میں بیان کی گئی ہے وہ بالکل صاف اور سادہ ہے، محبت ایک معروف لفظ ہے، اور اسکے معنی بھی معروف و معلوم ہیں، اور وہی یہاں بھی مراد ہیں، البتہ اللہ و رسول کے ساتھ اہل ایمان کو جو محبت ہوتی ہے وہ ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبت کی طرح خونی رشتوں یا دوسرے طبعی اسباب کی وجہ سے نہیں ہوتی، بلکہ روحانی اور عقلی وجہ سے ہوتی ہے، اور جب وہ کامل ہو جاتی ہے تو اسکے سوا دوسری وہ تمام محبتیں جو طبعی یا نفسانی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں اس سے مغلوب ہو جاتی ہیں، اور اس بات کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے، جس کو اللہ نے اس کا کوئی حصہ نصیب فرمایا ہو۔

الغرض ان احادیث میں محبت سے مراد دل کی وہی خاص کیفیت ہے جسکو محبت کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے، اور اسی کا ہم سے مطالبہ ہے اور وہی گویا ہمارے ایمان کی جان ہے، قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ (البقرۃ ۱۶۵)

اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ.

اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ، تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، اور تمہارا کنبہ قبیلہ اور تمہارا وہ مال و دولت جسکو تم نے محنت سے کمایا ہے، اور تمہاری وہ چلتی ہوئی تجارت جسکی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو، اور تمہارے رہنے کے وہ اچھے مکانات جو تم کو پسند ہیں (یعنی اگر دنیا کی یہ محبوب و مرغوب چیزیں) اللہ، اللہ کے رسول اور اللہ کے دین کی راہ کی جد وجہد سے زیادہ تم کو محبوب ہیں، تو انتظار کرو، تا آنکہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور فیصلہ نافذ کرے، اور یاد رکھو کہ اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔ (التوبہ ۲۴)

پس قرآن مجید کی اس پر جلال آیت کا تقاضا اور مطالبہ بھی یہی ہے کہ ایمان والوں کو اپنی تمام قابل محبت چیزوں سے زیادہ اللہ اور رسول سے اور انکے دین سے محبت ہونی چاہئے! اسکے بغیر اللہ کی رضا اور اس کی خاص ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی، اور ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جس کو یہ دولت نصیب ہو جائے اس کیلئے ایمان کے سارے تقاضوں کا پورا کرنا اور اللہ و رسول کے احکام پر چلنا نہ صرف یہ کہ آسان ہو جائیگا، بلکہ اس راہ میں جان عزیز تک دیدینے میں بھی وہ ایک لذت محسوس کرے گا، اور اسکے برخلاف جس کے دل پر اللہ و رسول کی محبت کا ایسا غلبہ نہ ہوگا، اس کے لئے روز مرہ کے اسلامی فرائض کی ادائیگی اور عام ایمانی مطالبات کی تعمیل بھی سخت گراں اور بڑی کٹھن ہوگی اور جتنا کچھ وہ کرے گا بھی، تو اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ بس قانونی پابندی کی سی ہوگی، پس اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ جب تک اللہ و رسول کی محبت دوسری ساری چاہتوں اور محبتوں پر غالب نہ ہو جائے، ایمان کا اصل مقام نصیب نہیں ہو سکتا، اور ایمان کی حلاوت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنَا إِلٰى حُبِّكَ.

٣٣) **عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ ...... رَوَاهُ الْبَغَوِيُّ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ.** ❶

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اسکی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔ (شرح السنہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہو سکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہو سکتی ہیں کہ آدمی کے نفس کی میلانات اور اسکی دلی چاہتیں کلی طور پر ہدایات نبوی کے تابع اور ماتحت ہو جائیں۔

❶ قال في المشكوة، قال النووي في اربعينه هذا حديث صحيح رويناه في كتاب الحجة باسناد صحيح۔ ١٢

خلاصہ یہ کہ ہوٰی (یعنی خواہشاتِ نفس) اور ہُدیٰ (یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات) یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر و شر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے، اور جن سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے، ہر شر اسی اور بد عملی اتباعِ ہوٰی کا نتیجہ ہے، جس طرح کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباعِ ہُدیٰ سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہو سکتا ہے کہ ہوٰی کو (یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو) ہُدیٰ کے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات و تعلیم کے) تابع کر دیا جائے اور جس نے ہُدیٰ کو چھوڑ کر ہوٰی کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربانی ہدایت کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہو گیا، تو گویا خود ہی اس نے متاعِ ایمان کو پامال کر دیا۔

قرآن پاک میں ایسوں ہی کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ انھوں نے خواہشات نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ (الفرقان ۲۵: ۴۳)

کیا تم نے ان بدبختوں کو دیکھا جنہوں نے اپنے نفس کی خواہشوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (القصص ۲۸: ۵۰)

جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی نفسانی چاہت پر چلے اس سے زیادہ گمراہ اور غلط راہ اور کون ہو سکتا ہے، اللہ ظالم لوگوں کو ایسی راہ نہیں دکھاتا۔

(۳۴) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی نہ چاہے، جو اپنے لئے چاہتا ہے"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایمان کے اصل مقام تک پہنچنے کیلئے اور اس کی نعمتوں اور برکتوں کو حاصل کرنے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی خود غرضی سے پاک ہو اور اس کے دل میں اپنے دوسرے بھائیوں کیلئے اتنی خیر خواہی ہو، کہ جو نعمت اور جو بھلائی اور جو بہتری وہ اپنے لئے چاہے، وہی دوسرے بھائیوں کیلئے بھی چاہے، اور جو بات اور جو حال وہ اپنے لئے پسند کرے، اس کو کسی دوسرے کیلئے بھی پسند کرے، اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

اسی حدیث کو ابن حبان کی روایت میں "لا یؤمن احدکم" کی جگہ "لا یبلغ العبد حقیقة الایمان" روایت کیا گیا ہے، اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں اور اس قسم کی دوسری حدیثوں میں بھی "لا یؤمن" کے لفظ سے ایمان کی قطعی نفی مراد نہیں ہے، بلکہ کمال کی نفی مقصود ہے۔ اور اس طرح ناقص کو کالعدم قرار دے کر اس کی نفی کر دینا قریباً ہر زبان کا عام محاورہ ہے، مثلاً ہماری اردو زبان میں بھی کسی برے اور نالائق آدمی کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ "اس میں تو انسانیت ہی نہیں ہے" یا کہہ دیتے ہیں کہ "وہ سرے سے آدمی ہی نہیں ہے"۔ حالانکہ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اچھا اور معقول آدمی نہیں ہے۔ پس اسی طرح بہت سی حدیثوں میں بھی ایمان کے نقص کو "لا ایمان" یا "لا یؤمن" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور تربیت و نصیحت

(جو ان حدیثوں کا مقصد ہے) اس کیلئے یہی طرزِ بیان مناسب تر اور بہتر بھی ہے۔ ایسے موقع پر منطقیوں والی موشگافیاں کرنا مزاجِ نبوت سے ناآشنائی کی دلیل اور بڑی ہی بدذوقی کی بات ہے۔

۳۵) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِيْ ذِكْرِ اللهِ قَالَ وَمَاذَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ۔ (رواہ احمد)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا (یعنی پوچھا کہ ایمان کا اعلیٰ اور افضل درجہ کیا ہے؟ اور وہ کون سے اعمال و اخلاق ہیں جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے) تو آپ نے ارشاد فرمایا ... یہ کہ بس اللہ ہی کیلئے کسی سے تمہاری محبت ہو اور اللہ ہی کے واسطے بغض و عداوت ہو (یعنی دوستی اور دشمنی جس سے بھی ہو، صرف اللہ کے واسطے ہو) اور دوسرے یہ کہ اپنی زبان کو تم اللہ کی یاد میں لگائے رکھو"۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا اور کیا یا رسول اللہ! "آپ نے فرمایا اور یہ کہ دوسرے لوگوں کیلئے بھی وہی چاہو اور وہی پسند کرو، جو اپنے لئے پسند کرتے اور چاہتے ہو، اور ان کیلئے بھی ان چیزوں کو ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔"

حضرت معاذؓ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تین چیزوں کو ذکر فرمایا ہے، اور بتلایا ہے کہ کامل ایمان جب نصیب ہوگا، جب یہ تینوں باتیں پیدا ہو جائیں۔ ایک اللہ ہی کے لئے دوستی اور دشمنی، دوسرے زبان کا یادِ الٰہی میں مشغول رہنا، تیسرے بندگانِ خدا کی ایسی خیر خواہی کہ جو اپنے لئے چاہے وہ سب کیلئے چاہے اور جو اپنے لئے نہ چاہے وہ کسی کے لئے نہ چاہے۔

۳۶) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ ہی کے لئے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی کی، اور اللہ ہی کیلئے دیا (جس کو جو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے واسطے منع کیا اور نہ دیا (جس کو منع کرنا اور نہ دینا عند اللہ بہتر سمجھا) تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔

مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے حرکات و سکنات اور اپنے جذبات کو اسی طرح مرضیٔ الٰہی کے تابع کر دیا کہ وہ جس سے تعلق جوڑتا ہے اللہ ہی کی رضا کے لئے جوڑتا ہے، اور جس سے توڑتا ہے اللہ ہی کے لئے توڑتا ہے، جس کو دیتا ہے اللہ ہی کیلئے دیتا ہے اور جس کے دینے سے ہاتھ روکتا ہے صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے روکتا ہے، غرض جس کے ایجابی اور سلبی قلبی رجحانات اور جذبات مثلاً محبت اور عداوت، اور اسی طرح مثبت و منفی اور ظاہری افعال و حرکات مثلاً کسی کو کچھ دینا یا نہ دینا، یہ سب اللہ ہی کے واسطے ہونے لگیں، اور بجز رضاءِ الٰہی کے کوئی اور محرک اور داعیہ ان کے اعمال و افعال کے لئے نہ رہے، الغرض تعلق باللہ اور کامل عبدیت کا یہ مقام جس کو حاصل ہو جائے اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

و خطرہ نہ ہو۔ ([illegible])

تشریح: اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ سے ایذا رسانی کا ذکر اسلئے فرمایا گیا ہے کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق ان ہی دو سے ہوتا ہے، ورنہ مقصد اور مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

ابن حبان کی اسی حدیث کی روایت میں "من سلم المسلمون" کے بجائے "من سلم الناس من لسانه ویده" وارد ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو تمام بنی نوع انسان کے لئے بے امن اور بے آزار ہونا چاہئے۔

لیکن واضح رہے کہ اس حدیث میں جس ایذا رسانی کو منافی اسلام بتلایا گیا ہے، وہ وہ ہے جو بغیر کسی صحیح وجہ اور معقول سبب کے ہو، ورنہ بشرط قدرت مجرموں کو سزا دینا، اور ظالموں کی زیادتیوں اور مفسدوں کی فتنہ انگیزیوں کو بزور دفع کرنا تو مسلمانوں کا فرض منصبی ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے، تو دنیا امن و راحت سے محروم ہو جائے۔

۴۰) عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ الْخُزَاعِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ قِیْلَ وَمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: ابو شریح خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قسم اللہ کی وہ مؤمن نہیں، قسم اللہ کی وہ مؤمن نہیں، قسم اللہ کی وہ مؤمن نہیں" عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کون مؤمن نہیں؟ آپ نے فرمایا "وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور آفتوں سے بے خوف نہ ہوں"۔ (بخاری)

تشریح: یعنی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک اور ایسا شریفانہ برتاؤ ہو کہ ان کو ہماری طرف سے پورا اطمینان رہے، اور ہماری جانب سے کسی ظلم اور شرارت کا اندیشہ ان کے دلوں میں نہ رہے، یہ ایمان کے ان شرائط اور لوازم میں سے ہے جن کے بغیر ایمان گویا کالعدم ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا۔ (مسند احمد، ترمذی)

اپنے پڑوسی کے ساتھ تم اچھا سلوک کرو تب تم ایمان والے ہو۔

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے:

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَہٗ۔ (بخاری و مسلم)

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو (اور اسلئے اللہ کی رضا اور آخرت میں فلاح چاہتا ہو) تو اسے لازم ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو نہ ستائے۔

۴۱) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ "وہ شخص مؤمن نہیں ہے کہ جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اسکے برابر میں رہنے والا اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔"

یعنی اپنے پڑوسی کی بھوک اور فاقہ سے بے نیاز اور لاپرواہ ہو کر اپنا پیٹ بھرنے والا آدمی (اگرچہ وہ سترہ پشتوں کا مسلمان ہو) حقیقتِ ایمان سے بے نصیب ہے، اور سنگدلی اور خود غرضی کی یہ کیفیت شانِ ایمان کے بالکل منافی ہے۔

(ہم مسلمانوں کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اور عام بندگانِ خدا کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ ہے اس کو سامنے رکھ کر رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں ذرا ہم اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ کی ان احادیث کی رو سے ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کہاں ہیں)۔

(۴۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔

(رواہ ابو داؤد والدارمی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ کمالِ ایمان کا انحصار حسنِ اخلاق پر ہے، پس اخلاق میں جو جتنا بلند ہوگا اسی قدر اس کا ایمان کامل ہوگا یا یوں کہئے کہ حسنِ اخلاق کمالِ ایمان کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ہے، لہٰذا جس شخص کا ایمان جتنا کامل ہوگا، اسی کی نسبت سے اسکے اخلاق بلند ہوں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص کو ایمان کی حقیقت تو نصیب ہو، لیکن اسکے اخلاق اچھے نہ ہوں۔

(۴۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔

(رواہ ابن ماجہ والترمذی والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "آدمی کے اسلام کی خوبی اور اسکے کمال میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں کا تارک ہو۔"

انسان اشرف المخلوقات ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت قیمتی بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کو اس وقت کا اور صلاحیتوں کا جو سرمایہ دیا گیا ہے وہ اس کو بالکل ضائع نہ کرے، بلکہ صحیح طور سے اسکو استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرے ـــ یہی دین کی تمام تعلیمات کا حاصل اور لب لباب ہے، اور یہی ایمان و اسلام کا مقصد ہے، اسلئے جو خوش نصیب یہ چاہے کہ اس کو ایمان کا کمال حاصل ہو اور اسکے اسلام کے حسن پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو، تو اس کے لئے ضروری ہے کہ کھلے گناہوں اور بداخلاقیوں کے علاوہ تمام فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں سے بھی اپنے کو بچائے رکھے، اور اپنے وقت اور اپنی تمام خداداد قوتوں اور صلاحیتوں کو بس ان ہی کاموں میں لگائے جن میں خیر اور منفعت کا کوئی پہلو ہو، یعنی جو معاد یا معاش کے لحاظ سے ضروری یا مفید ہوں ـــ یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

نے ارشاد فرمایا ہو کہ "جس میں امانت کی خصلت نہیں اس میں ایمان نہیں، اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح — یعنی امانت داری اور عہد کی پابندی سے کسی آدمی کا خالی ہونا دین و ایمان کی حقیقت سے اس کی محرومی کی نشانی ہے، کیونکہ امانت اور ایفاء عہد ایمان و اسلام کے لوازم میں سے ہیں ___ جیسا کہ پہلے بھی بعض حدیثوں کی تشریح میں لکھا جا چکا ہے اس طرح کی حدیثوں کا مقصد و منشا یہ نہیں ہوتا کہ ایسا شخص اسلام کے دائرے سے بالکل نکل گیا اور اب اس پر بجائے اسلام کے کفر کے احکام جاری ہوں گے، بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ایمان کی اصل حقیقت اور اس کے نور سے بے نصیب ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بہت ہی ناقص درجے کا اور بے جان ہے۔

ایمان میں خرابی لانے والے اخلاق و اعمال

۴۷) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْإِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ — بہز بن حکیم اپنے والد حکیم کے واسطے سے اپنے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسے کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"

(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح — در حقیقت غصہ ایسی ہی ایمان سوز چیز ہے، جب آدمی پر غصہ سوار ہوتا ہے تو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود سے وہ تجاوز کر جاتا ہے، اور اس سے وہ باتیں اور وہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو اس کے دین کو برباد کر دیتی ہیں اور اللہ کی نظر سے اس کو گرا دیتی ہیں۔

۴۸) عَنْ أَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيلَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ — اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کیلئے اور اس کا ساتھ دینے کے لئے چلا اور اس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔

تشریح — جب ظلم کا ساتھ دینا اور ظالم کو ظالم جانتے ہوئے اس کی کسی قسم کی مدد کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو اسلام سے نکل جانے والا قرار دیا ہے، تو سمجھا جا سکتا ہے کہ خود ظلم ایمان و اسلام کے کس قدر منافی ہے، اور اللہ و رسول کے نزدیک ظالموں کا کیا درجہ ہے۔

۴۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ۔ (رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مومن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا، اور نہ فحش گو اور بدکلام ہوتا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ بدکلامی اور فحش گوئی اور دوسروں کے خلاف زبان درازی یہ عادتیں ایمان کے منافی ہیں، اور مسلمان کو ان سے پاک ہونا چاہئے۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ اَنَّهُ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا۔

(رواہ مالک والبیہقی فی شعب الایمان مرسلاً)

حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ کیا مسلمان بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری ہو سکتی ہے)"۔ پھر عرض کیا گیا کیا مسلمان بخیل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہو سکتی ہے)"۔ پھر عرض کیا گیا کیا مسلمان کذاب (یعنی بہت جھوٹا) ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا "نہیں! (یعنی ایمان کے ساتھ بیباکانہ جھوٹ کی عادت جمع نہیں ہو سکتی، اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا)۔"

مطلب یہ ہے کہ بخل اور بزدلی اگرچہ بُری عادتیں ہیں، لیکن یہ دونوں انسان کی کچھ ایسی فطری کمزوریاں ہیں کہ ایک مسلمان میں بھی یہ ہو سکتی ہیں، لیکن جھوٹ کی عادت میں اور ایمان میں ایسی منافات ہے کہ یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يَزْنِى الزَّانِىْ حِيْنَ يَزْنِىْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْهَا اَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاِيَّاكُمْ اِيَّاكُمْ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں زنا کرتا کوئی زناکار، جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو، اور نہیں چوری کرتا کوئی چور جس وقت وہ چوری کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو، اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی جبکہ وہ شراب پیتا ہے، اور وہ اس وقت مومن ہو، اور نہیں لوٹتا کوئی لوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اس کی طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر اس کی لوٹ مار کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہے، اور وہ اس وقت مومن ہو، اور نہیں خیانت کرتا خیانت کرنے والا جبکہ وہ خیانت کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو، بس (اے ایمان والو! ان منافی ایمان حرکات سے) اپنے کو بچاؤ، بچاؤ!

یہ حدیث بخاری و مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بھی آئی ہے، اور اس میں زنا، چوری، شراب نوشی، لوٹ مار اور خیانت کے علاوہ قتل ناحق کا بھی ذکر ہے، یعنی اس میں ان الفاظ کا اور اضافہ ہے: وَلَا يَقْتُلُ حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (یعنی نہیں قتل کرتا کوئی قتل کرنے والا کسی کو جبکہ وہ

چاہئے۔ پس اگر بدقسمتی سے کسی مسلمان میں ان میں سے کوئی عادت ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں یہ منافقانہ عادت ہے، اور اگر کسی میں بدبختی سے منافقوں والی وہ ساری عادتیں جمع ہو جائیں، تو سمجھا جائے گا کہ وہ شخص اپنی سیرت میں پورا منافق ہے۔

الغرض ایک نفاق تو ایمان و عقیدے کا نفاق ہے، جو کفر کی بدترین قسم ہے، لیکن اس کے علاوہ کسی شخص کی سیرت کا منافقوں والی سیرت ہونا بھی ایک قسم کا نفاق ہے، مگر وہ عقیدے کا نہیں بلکہ سیرت اور کردار کا نفاق ہے اور ایک مسلمان کیلئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر و شرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ منافقانہ سیرت اور منافقانہ اعمال و اخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خصائل نفاق میں سے چار کا ذکر فرمایا ہے: ۱۔ خیانت، ۲۔ جھوٹ، ۳۔ عہد شکنی، ۴۔ بدزبانی اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو، اس کو سمجھنا چاہئے کہ اس میں ایک منافقانہ خصلت ہے اور جس میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہوں، وہ اپنی سیرت میں خالص منافق ہے۔

(۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی، تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا۔ (مسلم)

تشریح: یعنی ایسی زندگی جس میں دعوائے ایمان کے باوجود نہ کبھی راہ خدا میں جہاد کی نوبت آئے اور نہ دل میں اس کا شوق اور اس کی تمنا ہو، یہ منافقوں کی زندگی ہے، اور جو اسی حال میں اس دنیا سے جائے گا وہ نفاق کی ایک صفت کے ساتھ جائے گا۔

(۵۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو منافق والی نماز ہے کہ بے پروائی سے بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب وہ زرد ہو گیا اور اس کے غروب کا وقت قریب آ گیا تو نماز کو کھڑا ہوا اور چڑیا کی طرح چار چونچیں مار کے ختم کر دی اور اللہ کا ذکر بھی اس میں بہت تھوڑا کیا۔ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مومن کی شان تو یہ ہے کہ شوق کی بے چینی سے نماز کے وقت کا منتظر رہے، اور جب وقت آئے تو خوشی اور مستعدی سے نماز کیلئے کھڑا ہو اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت مجھے مالک الملک کے دربار عالی کی حضوری نصیب ہے، پورے اطمینان اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے، اور قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خوب اللہ کو یاد کرے، اور اس سے اپنے دل کو شاد کرے، لیکن منافقوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز ان کے لئے ایک بوجھ ہوتی ہے، وقت آ جانے پر بھی اس کو ٹالتے رہتے ہیں، مثلاً عصر کی نماز

کے لئے اس وقت اٹھتے ہیں جب سورج بالکل ڈوبنے کے قریب ہو جاتا ہے، اور بس جلدی جلدی چار ٹھونگیں مار کے نماز پوری کر دیتے ہیں، اور اللہ کا نام بھی بس برائے نام ہی لیتے ہیں، بس یہ نماز منافق کی نماز ہے اور جو کوئی ایسی نماز پڑھتا ہے وہ مخلص مؤمنوں والی نہیں بلکہ منافقوں والی نماز پڑھتا ہے۔

۵۵) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ أَدْرَكَهُ الْأَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔ (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے اور وہ اس کے بعد بھی بلا کسی خاص ضرورت کے مسجد سے باہر چلا جائے اور نماز میں شرکت کے لئے واپسی کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو، تو وہ منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ منافقانہ طرز عمل ہے، پس ایسا کرنے والا اگر عقیدے کا منافق نہیں ہے تو وہ عملاً منافق ہے۔

وسوسے ایمان کے منافی نہیں اور ان پر مواخذہ نہیں

۵۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَكَلَّمْ۔ (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل کے برے خیالات اور وسوسوں کو معاف کر دیا ہے، ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا، جب تک ان پر عمل نہ ہو اور زبان سے نہ کہا جائے۔

تشریح: انسان کے دل میں بعض اوقات بڑے گندے خیالات اور خطرات آتے ہیں، اور کبھی کبھی منکرانہ اور ملحدانہ سوالات و اعتراضات بھی دل و دماغ کو پریشان کرتے ہیں، اس حدیث میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ یہ خیالات اور وساوس جب تک کہ صرف خیالات اور وساوس ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے، ہاں اگر یہی خیالات، خطرات و وساوس کی حد سے بڑھ کر اس شخص کا قول یا عمل بن جائیں، تو پھر ان پر مواخذہ اور محاسبہ ہوگا۔

۵۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنِّي أُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ، قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوَسْوَسَةِ۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: "کبھی کبھی میرے دل میں ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ان کو زبان سے نکالوں؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے جس نے اس کے معاملہ کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا ہے۔" (ابو داؤد)

تشریح — مطلب یہ ہے کہ یہ غمگین اور فکر مند ہونے کی بات نہیں، بلکہ اس پر اللہ کا شکر کرو کہ اُس کے فضل و کرم اور اس کی دستگیری نے تمہارے دل کو ان بُرے خیالات کے قبول کرنے اور اپنانے سے بچا لیا ہے، اور بات وسوسہ کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دی ہے۔

۵۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَى النَّبِیِّ ﷺ فَسَأَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِیْ اَنْفُسِنَا مَا یَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ یَتَكَلَّمَ بِهٖ؟ قَالَ اَوَقَدْ وَجَدْتُمُوْهُ؟ قَالُوْا نَعَمْ، قَالَ ذَاكَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ بعض اوقات ہم اپنے دلوں میں ایسے بُرے خیالات اور وسوسے پاتے ہیں کہ ان کو زبان سے کہنا بھی بہت بُرا اور بہت بھاری معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا واقعی تمہاری یہ حالت ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں ایسی حال ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ تو خالص ایمان ہے۔

تشریح — مطلب یہ ہے کہ کسی مومن کی یہ کیفیت کہ وہ دین و شریعت کے خلاف وساوس سے اتنا گھبرائے اور ان کو اتنا بُرا سمجھے کہ زبان سے کہنا بھی اس کو گراں ہو، یہ خالص ایمانی کیفیت ہے۔

۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَاْتِی الشَّیْطَانُ اَحَدَكُمْ فَیَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتّٰی یَقُوْلَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَاِذَا بَلَغَهٗ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْیَنْتَهِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ (یہاں تک کہ یہی سوال وہ اللہ کے متعلق بھی دل میں ڈالتا ہے، کہ جب ہر چیز کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو پھر) اللہ کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ پس سوال کا سلسلہ جب یہاں تک پہنچے تو چاہئے کہ بندہ اللہ سے پناہ مانگے اور رک جائے۔

تشریح — مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے وسوسے اور سوالات شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، اور جب شیطان کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ جاہلانہ اور احمقانہ سوال ڈالے تو اس کا سیدھا اور آسان علاج یہ ہے کہ بندہ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے، اور خیال کو اس طرف سے پھیر لے یعنی اس مسئلہ کو قابلِ توجہ اور لائق غور ہی نہ سمجھے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ جب اس ہستی کا نام ہے جس کا وجود اس کی ذاتی صفت ہے، اور جو تمام موجودات کو وجود بخشنے والا ہے، اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَزَالُ النَّاسُ یَتَسَاءَلُوْنَ حَتّٰی یُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَیْئًا فَلْیَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات اور چون و چرا کا سلسلہ جاری رہے گا، یہاں تک کہ یہ احمقانہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اللہ نے سب مخلوق کو

پیدا کیا ہے، تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟" پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کر دے کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا رویہ ان سوالات اور وسوسوں کے بارے میں یہ ہونا چاہئے کہ وہ سوال کرنے والے آدمی سے یا وسوسہ ڈالنے والے شیطان سے اور اپنے نفس سے صاف کہہ دے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان کی روشنی مجھے نصیب ہو چکی ہے، اسلئے میرے لئے یہ سوال بالکل قابلِ غور نہیں، جس طرح کسی آنکھوں والے کیلئے یہ سوال قابلِ غور نہیں کہ سورج میں روشنی ہے یا نہیں؟

ایمان و اسلام کا خلاصہ اور اس کا مغز

(۶۹) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قُلْ لِيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ (وَفِيْ رِوَايَةٍ غَيْرَكَ) قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ـ (رواہ مسلم)

ترجمہ: سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع اور شافی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد پھر میں کسی سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھوں" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر پوری طرح اور ٹھیک ٹھیک اس پر قائم رہو۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کو اپنا اللہ اور رب مان کر اپنے کو بس اس کا بندہ بنا دو، اور پھر اس ایمان اور عبدیت کے تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک چلاتی زندگی بسر کرو، بس یہی کافی ہے۔

یہ حدیث "جوامع الکلم" میں سے ہے، رسول اللہ ﷺ کے جواب کے ان دو لفظوں میں اسلام کا پورا خلاصہ آ گیا ہے "ایمان باللہ" اور اس پر استقامت" یہی اسلام کی غرض و غایت، بلکہ اس کی روح ہے۔ "ایمان باللہ" کا مطلب تو کتاب کے بالکل شروع میں حدیث جبریل کی تشریح میں بیان کیا جا چکا ہے، اور استقامت کے معنی ہیں بلا افراط و تفریط اور بغیر کسی کجی اور انحراف کے اللہ کی مقرر کی ہوئی "صراطِ مستقیم" پر قائم رہنا، اور ہمیشہ اس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتے رہنا گویا تمام اوامر و نواہی اور جملہ احکام خداوندی کے صحیح عمل اور دائمی اتباع کا نام استقامت ہے، اور ظاہر ہے کہ بندوں کے لئے اس سے آگے کوئی مقام نہیں، اسی لئے بعض اکابر صوفیہ نے فرمایا ہے:

اَلْاِسْتِقَامَةُ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ كَرَامَةٍ　　یعنی استقامت ہزاروں کرامتوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔

بہر حال استقامت وہ چیز ہے کہ اسکی تعلیم کے بعد کسی اور چیز کے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی، اور بس وہی انسان کے لئے کافی ہے، قرآن مجید میں بھی کئی جگہ انسان کی سعادت اور فلاح کو ایمان باللہ اور استقامت ہی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ـ أُولٰٓئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ـ (الاحقاف: ۴۶: ۱۳، ۱۴)

[illegible]

[illegible]

٩٠: عن أبي خزامة عن أبيه قال قلت يا رسول الله أرأيت رقى نسترقيها ودواء نتداوى به وتقاة نتقيها هل ترد من قدر الله شيئا؟ قال هي من قدر الله۔

[illegible]

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جن مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں جن اسباب کا استعمال کرتے ہیں، وہ سب بھی اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی یہ مقدر اور مقرر ہو تا ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آئے گی، اور فلاں قسم کے جھاڑ پھونک یا فلاں دوا کے استعمال سے وہ اچھا ہو جائے گا۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس نہایت مختصر و فیصلہ کن جواب سے مسئلہ تقدیر کے متعلق بہت سے شبہات اور سوالات کا جواب ہو جاتا ہے۔

(۶۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ؟ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ " فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى ۝

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے (مطلب یہ ہے کہ جو شخص دوزخ میں یا جنت میں جہاں بھی جائے گا، اس کی وہ جگہ پہلے سے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے)" صحابہ نے عرض کیا تو کیا ہم اپنے اس نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور سعی و عمل چھوڑ دیں (مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا ہوا ہے، تو پھر ہم سعی و عمل کی درد سری کیوں مول لیں) آپ نے فرمایا "نہیں! عمل کئے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے جس کیلئے وہ پیدا ہوا ہے، پس جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے تو اس کو سعادت اور نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے، اور جو کوئی بد بختوں میں سے ہے اس کو شقاوت اور بد بختی والے اعمال ہی کی توفیق ملتی ہے۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى ۝ (واللیل)

جس نے راہ خدا میں دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی (یعنی دعوت اسلام کو قبول کیا) تو اس کو ہم چین و راحت کی زندگی یعنی جنت حاصل کرنے کی توفیق دیں گے، اور جس نے بخل سے کام لیا اور مغرور و بے پرواہ رہا، اور اچھی بات کو یعنی دعوت ایمان کو جھٹلایا، تو اسکے واسطے ہم تکلیف کی اور دشواری کی زندگی (یعنی دوزخ) کی طرف چلنا آسان کر دیں گے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ ہر شخص کے لئے اس کا آخری ٹھکانہ دوزخ یا جنت میں پہلے سے مقرر ہو چکا ہے، لیکن اچھے یا برے اعمال سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی پہلے سے مقدر

ہے، اور تقدیر الٰہی میں یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ جو جنت میں جائے گا وہ اپنے فلاں فلاں اعمالِ خیر کے راستے جائے گا اور جو جہنم میں جائے گا وہ اپنی فلاں فلاں بد اعمالیوں کی وجہ سے جائے گا، پس جنتیوں کے لئے اعمالِ خیر اور دوزخیوں کے لئے اعمالِ بد بھی مقدر و مقرر ہیں، اور اسلئے ناگزیر ہیں، حضور ﷺ کے اس جواب کا ماحصل بھی قریب قریب وہی ہے، جو اوپر والی حدیث میں آپ کے جواب کا تھا، ابھی عنقریب اس مضمون کی کچھ اور وضاحت اور تفصیل بھی کی جائے گی۔

(۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ اور ناقابل ہونا اور قابل و ہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آدمی کی صفات قابلیت و ناقابلیت، صلاحیت و عدم صلاحیت، اور عقلمندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر ہی سے ہیں، الغرض اس دنیا میں جو کوئی جیسا اور جس حالت میں ہے وہ اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہے۔

(۶۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ حَتَّى كَأَنَّمَا فُقِئَ فِي وَجْنَتَيْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ أَبِهٰذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهٰذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِي هٰذَا الْأَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَتَنَازَعُوْا فِيْهِ۔ (رواه الترمذي)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ (مسجد نبوی میں بیٹھے) قضاء و قدر کے مسئلہ میں بحث مباحثہ کر رہے تھے، کہ اسی حال میں رسول اللہ ﷺ باہر سے تشریف لے آئے (اور ہم کو یہ بحث کرتے دیکھا) تو آپ بہت برافروختہ اور غضبناک ہوئے، یہاں تک کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا، اور اس قدر سرخ ہوا کہ معلوم ہوتا تھا آپ کے رخساروں پر انار نچوڑ دیا گیا ہے۔ پھر آپ نے ہم سے فرمایا کیا تم کو یہی حکم کیا گیا ہے، کیا میں تمہارے لئے یہی پیام لایا ہوں (کہ تم قضاء و قدر کے جیسے اہم اور نازک مسئلوں میں بحث کرو)، خبردار تم سے پہلی امتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کو اپنا طریقہ بنالیا۔ میں تم کو قسم دیتا ہوں، میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ہرگز حجت اور بحث نہ کیا کرو۔ (ترمذی)

تشریح: قضاء و قدر کا مسئلہ بلاشبہ مشکل و نازک مسئلہ ہے، لہٰذا مومن کو چاہئے کہ اگر یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آئے، تو بحث اور حجت نہ کرے، بلکہ اپنے دل و دماغ کو اس پر مطمئن کرلے کہ اللہ کے صادق و مصدوق رسول نے اس مسئلہ کو اسی طرح بیان فرمایا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے۔ تقدیر کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے اس کو نازک اور مشکل ہونا ہی چاہئے، ہمارا حال تو یہ ہے کہ اسی دنیا کے بہت سے معاملات اور بہت سے رازوں کو ہم میں سے بہت سے نہیں سمجھ سکتے، پس جب اللہ کے سچے

پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ایک حقیقت بیان فرمادی (جس کا پوری طرح سمجھ لینا سب کے لئے آسان نہیں ہے) تو جن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے ان کے لئے بھی ایمان لانے کے بعد صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اس کے بارے میں کوئی بحث اور کرید نہ کریں بلکہ اپنے قصور فہم اور اپنے ذہن کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر ایمان لائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے سخت غصہ اور جلال کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضرات آپ کی تعلیم و تربیت میں تھے اور آپ سے براہ راست دین حاصل کر رہے تھے، ان کو جب آپ نے اس غلطی میں مبتلا دیکھا، تو قریبی تعلق رکھنے والے معلم و مربی کی طرح آپ کو سخت غصہ آیا۔

اس موقع پر آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ "تم سے پہلی امتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کا طریقہ اختیار کیا" تو یہاں امتوں کے ہلاک ہونے سے مراد غالباً گمراہی ہے۔ قرآن و حدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کیلئے بکثرت استعمال ہوا ہے اس بناء پر آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اگلی امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اسی وقت آئیں، جبکہ انہوں نے اس مسئلہ کو حجت و بحث کا موضوع بنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ میں بھی اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے۔

یہ واضح رہے کہ اس حدیث میں ممانعت حجت اور نزاع سے فرمائی گئی ہے، پس اگر کوئی شخص تقدیر کے مسئلہ پر ایک مومن کی طرح یقین و ایمان رکھتے ہوئے صرف اطمینان قلبی کے لئے اس مسئلہ کے بارے میں کسی اہل سے سوال کرے، تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔

اس سے پہلی دو حدیثوں میں خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرامؓ کے سوال کے جواب ہی میں اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں کو خود سمجھایا ہے۔

۶۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ۔

(رواہ مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھدی ہیں اور فرمایا کہ اسکا عرش پانی پر تھا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں چند چیزیں غور طلب ہیں اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تقدیر لکھنے سے کیا مراد ہے؟۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تو ہے نہیں کہ جس طرح ہم انسان ہاتھ میں قلم لے کے کاغذ یا تختی پر کچھ لکھتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے لکھا ہو، ایسا خیال کرنا اللہ تعالیٰ کی شان اقدس سے ناواقفی ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے ہم قاصر ہیں، اور چونکہ ان کے لئے الگ کوئی زبان اور لغت نہیں ہے اسلئے ہم مجبوراً انہیں الفاظ سے انکے افعال و صفات کی تعبیر کرتے ہیں جو دراصل ہمارے افعال و صفات کیلئے وضع کئے گئے ہیں، ورنہ انکے اور ہمارے افعال و صفات کی حقیقت اور کیفیت میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا کہ اس کی عالی ذات اور ہماری ذاتوں میں ہے۔

بہر حال، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس حدیث میں جس کتابت تقدیر کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی حقیقت اور نوعیت کیا ہے، علاوہ ازیں یہ بھی واقعہ ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کر دینے اور معین و مقرر کر دینے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اسی معنی کے اعتبار سے، روزہ کی فرضیت کو "کتب علیکم الصیام" سے اور قصاص کے حکم کو "کتب علیکم القصاص" سے تعبیر کیا گیا ہے، پس اگر حدیث مذکور میں بھی کتابت سے یہی مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں معین کیں، اور جو کچھ ہونا ہے اس کو مقرر فرمایا۔[1] اس معنی کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں بجائے "کتب" کے "قدر" کا لفظ بھی آیا ہے۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کتابت تقدیر کے سلسلے کی بعض غیر معتبر روایتوں میں قلم اور لوح وغیرہ سے متعلق جو تفصیلات نقل کی گئی ہیں، وہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں، رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔[2]

دوسری بات اس حدیث سے متعلق یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ پچاس ہزار برس سے مراد بہت طویل زمانہ بھی ہو سکتا ہے، عربی زبان اور عربی محاورے میں یہ استعمال شائع ذائع ہے۔

حدیث کے آخر میں فرمایا گیا ہے: "اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور پانی اس وقت پیدا کئے جا چکے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح ہماری قوت خیالیہ میں ہزاروں چیزوں کی صورتیں، اور ان کے متعلق معلومات جمع رہتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عرش کی قوتوں میں سے کسی خاص قوت میں (جس کو ہماری قوت خیالیہ کے مشابہ سمجھنا چاہئے) تمام مخلوقات اور ان کے تمام احوال اور حرکات و سکنات کو، غرض جو کچھ عالم وجود میں آنے والا ہے اس سب کو عرش کی اس قوت میں ثبت فرما دیا، گویا دنیا کے پردے پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب عرش کی اس قوت میں اسی طرح موجود و محفوظ ہے جس طرح ہمارے خیال میں لاکھوں صورتیں اور ان کے متعلق معلومات ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے سے یہی مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَأَجَلَهُ وَرِزْقَهُ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يَنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحَ فَوَالَّذِيْ لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۱۹۶، ارشاد) [2] حجۃ اللہ البالغہ۔ ۱۴

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے صادق و مصدوق پیغمبر ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا "تم میں سے ہر ایک کا مادۂ تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے (یعنی پہلے چلہ میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہوتا، صرف خون میں کچھ غلظت آجاتی ہے اسی کو "نطفہ" کہا گیا ہے①) پھر اسکے بعد اتنی ہی مدت منجمد خون کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (اور اسی مدت میں اعضاء کی تشکیل اور ہڈیوں کی بناوٹ بھی شروع ہوجاتی ہے) پھر اللہ تعالیٰ (مندرجہ ذیل) چار باتیں دے کر ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے، یہ فرشتہ اسکے اعمال اسکی مدت عمر اور وقت موت اور اس کا رزق لکھتا ہے، اور یہ کہ بدبخت ہے یا نیک بخت، پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ پس قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتہ تقدیر آگے آجاتا ہے، اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے، اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے اور (اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ) تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ اسکے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتہ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے، اور جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں دو مضمون بیان فرمائے گئے ہیں، شروع میں تو تخلیق انسانی کے ان چند مرحلوں کا ذکر ہے جس سے انسان نفخ روح تک رحم مادر میں گزرتا ہے، (اور غالباً ان مرحلوں کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ نفخ روح کے وقت پیدا ہونے والے انسان کے متعلق لکھتا ہے، جس میں اسکے اعمال، اس کی مدت حیات اور وقت موت، اور روزی اور نیک بختی یا بدبختی کی تفصیل ہوتی ہے، حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضور ﷺ کا خاص مقصد اسی نوشتہ کے متعلق یہ بیان فرمانا ہے، کہ یہ ایسا قطعی اور اٹل ہوتا ہے کہ ایک شخص جو اس نوشتہ میں دوزخیوں میں لکھا ہوتا ہے، بسا اوقات وہ ایک مدت تک جنتیوں کی سی پاکبازانہ زندگی گزارتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت سے بہت ہی قریب ہوجاتا ہے لیکن پھر ایک دم اسکے رویہ میں تبدیلی ہوتی ہے، اور وہ دوزخ میں لے جانے والے برے اعمال کرنے لگتا ہے، اور اسی حال میں مر کر بالآخر دوزخ میں چلا جاتا ہے، اور اسکے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی جو فرشتہ کے نوشتہ میں اہل جنت میں لکھا ہوتا ہے، وہ ایک عرصہ تک دوزخیوں کی سی زندگی گزارتا رہتا ہے، اور دوزخ کے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ اسکے اور دوزخ کے درمیان گویا ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا لیکن پھر ایک دم وہ سنبھل جاتا ہے، اور اہل جنت کے اعمال صالحہ کرنے لگتا ہے، اور اسی حال میں مر کر جنت میں چلا جاتا ہے۔

اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ کسی کو بد اعمالیوں میں مبتلا دیکھ کر اسکے قطعی دوزخی ہونے کا حکم نہ لگانا چاہیے، کیا معلوم زندگی کے باقی حصے میں اس کا رخ اور رویہ کیا ہونے والا ہے، اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آج اعمال خیر کی توفیق کسی کو مل رہی ہے تو اس پر اسکو مطمئن نہ ہوجانا چاہیے، بلکہ ہمیشہ حسن

① ویسمی ما لم یتغیر من صورۃ الدم بغیر الاحشاء نطفۃ۔ (مجمع البحار [illegible])

تا تم کے لئے فکر مند رہنا چاہئے۔

۷۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَّاحِدٍ يُصَرِّفُهٗ كَيْفَ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بنی آدم کے تمام قلوب اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، ایک دل کی طرح، وہ جس طرح (اور جس طرف) چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے"۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے دلوں کے پھیرنے والے، ہمارے دل اپنی اطاعت و بندگی کی طرف پھیر دے"۔

تشریح: ...... ابھی اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کو سمجھنے سمجھانے کے لئے چونکہ الگ کوئی زبان نہیں ہے، اسلئے مجبوراً انکے لئے بھی ان ہی الفاظ و محاورات کا استعمال کیا جاتا ہے، جو دراصل انسانی افعال و صفات کیلئے وضع کئے گئے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں جو کہا گیا ہے، کہ بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، تو اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے اختیار اور اسکے قبضہ تصرف میں ہیں، وہ جدھر چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔ اور حدیث کی یہ تعبیر بالکل ایسی ہے جیسے کہ ہمارے محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو بالکل میری مٹھی میں ہے۔ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ بالکل میرے اختیار میں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمارے دلوں کو بھی اللہ ہی جدھر چاہتا ہے پھیرتا ہے۔

مندرجہ بالا حدیثوں سے تقدیر کے متعلق چند باتیں معلوم ہوئیں

۱) اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں مقدر فرما دیں، اور جو کچھ ہوتا ہے گویا وہ سب بالتفصیل لکھ دیا۔

۲) انسان جب رحم مادر میں ہوتا ہے اور اس پر تین چلے گزر جاتے ہیں، اور نفخ روح کا وقت آتا ہے تو اللہ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اسکے متعلق چار باتیں لکھتا ہے۔ اسکی مدت عمر، اسکے اعمال، اسکا رزق اور اس کا نیک بخت یا بدبخت ہونا۔

۳) ہمارے دلوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

دراصل تقدیر الٰہی کے یہ مختلف درجے اور مختلف مظاہر ہیں، اور حقیقی ازلی تقدیر ان سب سے سابق ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیر الٰہی کے ان مختلف مدارج اور مظاہر کو بہت سمجھا کر بیان فرمایا ہے ذیل میں ہم ان کے کلام کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

تقدیر کے مختلف مدارج

۱) ازل میں جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہ تھا، زمین و آسمان، ہوا، پانی، عرش و کرسی میں سے کوئی چیز بھی پیدا نہ کی گئی تھی (کان اللہ ولم یکن معہ شیء) تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو بعد میں پیدا ہونے والی

اس ساری کائنات کا پورا پورا علم تھا، پس اس نے ازل ہی میں ارادہ اور فیصلہ کیا کہ اسی تفصیل اور ترتیب کے مطابق جو میرے علم میں ہے، میں عالم کو پیدا کروں گا اور اس میں یہ یہ واقعات پیش آئیں گے۔
الغرض آئندہ وجود میں آنے والے عالم کے متعلق جو تفصیل و ترتیب اسکے ازلی علم میں تھی اسے ازل ہی میں طے فرمالیا کہ میں اس سب کو وجود میں لاؤنگا، پس یہ طے فرمانا ہی تقدیر کا پہلا مرتبہ اور پہلا ظہور ہے۔

۲) پھر ایک وقت آیا جبکہ پانی اور عرش پیدا کئے جا چکے تھے، مگر زمین و آسمان پیدا نہ ہوئے تھے۔ (بلکہ حدیث نمبر ۶۸ کی تصریح کے مطابق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے) اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں اپنی ازلی تجویز کے مطابق لکھ دیں۔ (جس کی حقیقت حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ عرش کی قوت خیالیہ میں تمام مخلوق کی تفصیلی تقدیر منقش کر دی اور اس طرح عرش اس تقدیر کا حامل ہو گیا) یہ تقدیر کا دوسرا درجہ اور دوسرا ظہور ہوا۔

۳) پھر ہر انسان کی تخلیق جب رحم مادر میں شروع ہوتی ہے، اور تین چلے گذر جاتے ہیں جب اس میں روح ڈالنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اللہ تعالیٰ ہی سے علم حاصل کر کے اسکے متعلق ایک تقدیری نوشتہ مرتب کرتا ہے، جس میں اس کی مدت حیات، اعمال، رزق اور شقاوت یا سعادت کی تفصیل ہوتی ہے، یہ نوشتہ تقدیر کا تیسرا درجہ اور تیسرا ظہور ہے۔

۴) پھر انسان جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے وہ اس کو کرتا ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۷۰ میں فرمایا کہ انسانوں کے سب دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں، وہ جدھر چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے، پس یہ تقدیر کا چوتھا درجہ اور چوتھا ظہور ہے۔

اگر اس تفصیل کو ملحوظ رکھا جائے تو تقدیر کے مسئلہ کی مختلف احادیث کے مطالب و معانی کے سمجھنے میں ان شاء اللہ مشکل پیش نہ آئے گی۔

مسئلہ تقدیر سے متعلق بعض شبہات کا ازالہ

بہت سے لوگوں کو کم فہمی یا نافہمی سے تقدیر کے متعلق جو شبہات ہوتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً ان کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔ اس مسئلہ میں مندرجہ ذیل تین اشکال مشہور ہیں۔

اول...... یہ کہ دنیا میں اچھا، برا جو کچھ ہوتا ہے اگر یہ سب اللہ ہی کی تقدیر سے ہے، اور اللہ ہی نے اس کو مقدر کیا ہے تو پھر اچھائیوں کے ساتھ تمام برائیوں کی ذمہ داری بھی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر آئے گی۔

دوسرا...... یہ کہ جب سب کچھ پہلے سے من جانب اللہ مقدر ہو چکا ہے، اور اس کی تقدیر اٹل ہے، تو بندے اسی کے مطابق کرنے پر مجبور ہیں، لہٰذا انہیں کوئی جزا و سزا نہ ملنی چاہئے۔

تیسرا...... شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے جب وہ سب پہلے سے مقدر ہی ہو چکا ہے اور اسکے خلاف کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہے، تو پھر کسی مقصد کے لئے کچھ کرنے دھرنے کی ضرورت ہی نہیں لہٰذا دنیا و آخرت کے کسی کام کے لئے محنت اور کوشش فضول ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تینوں شبہے تقدیر کے غلط اور ناقص تصور سے پیدا ہوتے ہیں۔

حاصل بھی یہی ہے۔

الغرض اگر تقدیر پر ایمان کی حقیقت سامنے رکھی جائے، تو انشاء اللہ اس قسم کا کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہوگا۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

مرنے کے بعد

برزخ، قیامت، آخرت

چند اصولی باتیں

مابعد الموت کے سلسلہ کی حدیثیں پڑھنے اور ان کے مطالب سمجھنے سے پہلے چند اصولی باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں، ان باتوں کے مستحضر کر لینے کے بعد ان حدیثوں کے مضامین کے متعلق وہ وساوس، اور شبہات ان شاء اللہ پیدا نہ ہوں گے، جو حقیقت ناشناسی کی وجہ سے بہت سے دلوں میں اس زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) انبیاء علیہم السلام کا خاص کام (جس کے لئے وہ مبعوث ہوتے ہیں) ہمیں ان باتوں کا بتلانا ہے، جن کے ہم ضرورت مند تو ہیں لیکن اپنے عقل و حواس سے بطور خود ہم ان کو نہیں جان سکتے، یعنی وہ ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے پاس علم کا ایک خاص ذریعہ ہوتا ہے جو عام انسانوں کے پاس نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی وحی ہے، ان کو اسی ذریعہ سے ان چیزوں کا علم ہوتا ہے، جس کو ہم اپنی آنکھوں کانوں سے اور اپنی عقل و فہم سے دریافت نہیں کر سکتے، جس طرح کہ دوربین رکھنے والا آدمی بہت دور کی وہ چیزیں دیکھ لیتا ہے، جن کو عام آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

(۳) کسی نبی کو نبی مان لینے، اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے اس بات کو تسلیم کر لیا، اور پورے یقین کے ساتھ ان کو مان لیا اور قبول کر لیا کہ وہ ایسی جو بات بتلاتا ہے، جس کو ہم خود نہیں جانتے، اور نہیں دیکھتے، وہ اللہ کی وحی سے اس کا علم حاصل کر کے ہمیں بتلاتا ہے، اور وہ سب حرف بحرف صحیح ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے، جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری عقل اور ہمارے حواس بطور خود اس کو سمجھ لینے سے عاجز اور قاصر ہوں، بلکہ ایسا ہونا ضروری ہے، اگر انبیاء علیہم السلام صرف وہی باتیں بتلائیں جن کو ہم خود ہی غور و فکر سے معلوم کر سکتے ہوں، تو پھر ان کی ضرورت ہی کیا ہے۔

(۵) انبیاء علیہم السلام نے مابعد الموت یعنی عالم برزخ[1] (عالم قبر) اور عالم آخرت کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں ایسی چیزیں ضرور ہیں جن کو ہم اپنے غور و فکر سے از خود نہیں جان سکتے اور اس دنیا میں ان چیزوں کے نمونے نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کو اس طرح سمجھ بھی نہیں سکتے، جس طرح اس دنیا کی دیکھی بھالی چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں۔

(۶) علم کے جو عام فطری ذریعے اور وسیلے ہمیں دیئے گئے ہیں، مثلاً آنکھ، ناک، کان، عقل و فہم، ظاہر ہے کہ

۱۔ مرنے کے بعد سے قیامت تک کے دور کو عالم برزخ کہتے ہیں۔

اسکے نشانات اور اثرات بھی پاتا ہے۔ الغرض نیند کی حالت میں اچھے یا برے خواب دیکھنے والے شخص پر جو کچھ گذرتا ہے اس کی نوعیت یہی ہے کہ وہ براہ راست اور اصلی طور پر روح پر گزرتا ہے، اور جسم پر اس کا اثر پڑتا ہے، اسی لئے خواب دیکھنے والے کے قریب والا آدمی بھی اسکے جسم پر کوئی واردات گذرتے ہوئے نہیں دیکھتا، کیونکہ ہم اس دنیا میں کسی انسان کے ان ہی حالات کو دیکھ سکتے ہیں جن کا تعلق براہ راست اسکے جسم سے ہو۔ پس عالم برزخ میں (یعنی مرنے کے بعد سے قیامت تک کے دور میں) اچھے برے انسانوں پر جو کچھ گزرنے والا ہے (جس کی بعض تفصیلات آگے آنے والی حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں) اس کی نوعیت بھی یہی ہے کہ وہ اصلی طور پر اور براہ راست روح پر گزرے گا، اور جسم بھی اس میں شریک ہوگا، اور عالم رؤیا (خواب) کے تجربات کی روشنی میں اس کو سمجھ لینا کسی سمجھنے والے آدمی کیلئے زیادہ مشکل نہیں ہے۔

امید ہے کہ اس دنیا اور عالم برزخ کے اس فرق کو جان لینے کے بعد وہ تمام شبہات اور سوالات اور وسوسے پیدا نہ ہوں گے جو قبر کے سوال و جواب اور عذاب و ثواب کی حدیثوں کے متعلق بعض ضعیف الایمان اور کم عقل لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

عالم برزخ (عالم قبر)

۷۱) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ يَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللهُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِىْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللهِ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللهِ فَاٰمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ، فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ "يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الْاٰيَة" قَالَ فَيُنَادِىْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِىْ فَافْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ فَيُفْتَحُ لَهٗ ، قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْسَحُ لَهٗ فِيْهَا مَدَّ بَصَرِهٖ. وَاَمَّا الْكَافِرُ فَذَكَرَ مَوْتَهٗ قَالَ وَيُعَادُ رُوْحُهٗ فِىْ جَسَدِهٖ وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِىْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِىْ، فَيَقُوْلَانِ مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِىْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِىْ ، فَيُنَادِىْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا قَالَ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهٗ اَعْمٰى اَصَمُّ مَعَهٗ مِرْزَبَّةٌ مِنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ۔ (رواه احمد وابو داؤد)

حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے (ایک سلسلۂ کلام میں مردہ کے سوال و جواب اور عالم برزخ یعنی قبر کے ثواب و عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے)

اللہ کی توحید کا، اسکے دین اسلام کا اور اسکے رسول برحق کا منکر تھا) پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی ندا کرے گا کہ اس کے لئے دوزخ کا فرش کرو، اور دوزخ کا اس کو لباس پہنا دو اور اس کے لئے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو (چنانچہ یہ سب کچھ کردیا جائے گا) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ "(دوزخ کے اس دروازے سے) اسکو برابر دوزخ کی گرمی اور دوزخ کی لپٹیں اور جلانے جھلسنے والی ہوائیں اسکے پاس آتی رہیں گی اور اسکی قبر اس پر نہایت تنگ کردی جائیگی جسکی وجہ سے (اتنا دبوچے گا کہ) اسکے سینے کی پسلیاں ادھر سے ادھر ہو جائیں گی، پھر اس کو عذاب دینے کیلئے ایک ایسا فرشتہ اس پر مسلط کیا جائے گا، جو نہ کچھ دیکھے گا نہ سنے گا، اسکے پاس لوہے کی ایسی موگری ہوگی کہ اگر اس کی ضرب کسی پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے، وہ فرشتہ اس موگری سے اس پر ایک ضرب لگائے گا، جس سے وہ اس طرح چیخے گا، جس کو جن وانس کے علاوہ وہ سب چیزیں سنیں گی، جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہیں، اس ضرب سے وہ خاک ہو جائے گا، اسکے بعد اس میں پھر روح ڈالی جائے گی۔

(۷۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِىْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِىْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَكَ اللهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِىْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِىْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَهٗ مَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ.

(رواہ البخاری ومسلم واللفظ للبخاری)

ترجمہ: انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (مرنے کے بعد) بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اسکے ساتھی (یعنی اسکے جنازے کے ساتھ آنے والے) واپس چل دیتے ہیں، (اور ابھی وہ اتنے قریب ہوتے ہیں کہ) اس کی جوتیوں کی چاپ وہ سن رہا ہوتا ہے تو اسی وقت اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اسکو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ان کا یہ سوال رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہوتا ہے، پس جو سچا مومن ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ (میں گواہی دیتا رہا ہوں، اور اب بھی) میں گواہی دیتا ہوں، کہ وہ اللہ کے بندے، اور اسکے رسول برحق ہیں (یہ جواب سن کے) فرشتے اس سے کہتے ہیں (ایمان نہ لانے کی صورت میں) دوزخ میں جو تمہاری جگہ ہونے والی تھی، ذرا اس کو دیکھ لو، اب اللہ نے بجائے اسکے، تمہارے لئے جنت میں ایک جگہ عطا فرمائی ہے (اور وہ یہ ہے) اس کو بھی دیکھ لو (یعنی دوزخ اور جنت کے دونوں مقام اسکے سامنے کردیئے جائیں گے) چنانچہ وہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھے گا۔ اور جو منافق اور کافر ہوتا ہے، تو اسی طرح (مرنے کے بعد) اس سے بھی (رسول اللہ ﷺ) کے متعلق پوچھا جاتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے تھے؟ (اور اس کو کیا اور کیسا سمجھتے تھے؟) پس وہ منافق اور کافر کہتا ہے کہ میں ان کے بارے میں خود تو کچھ جانتا نہیں، دوسرے

ہیں اسی طرح فرشتے اپنے وجود کی لطافت اور اللہ کی دی ہوئی قدرت سے پتھروں میں سے بھی پار ہو جاتے ہیں۔ سبحانہ تعالیٰ شانہ۔

(۷۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب مر جاتا ہے تو ہر صبح و شام اسکے سامنے اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے ہے، تو جنتیوں کے مقام میں سے (اس کا جو مقام ہونے والا ہوتا ہے وہ ہر صبح و شام اسکے سامنے کیا جاتا ہے، اور اسکو دکھلایا جاتا ہے) اور اگر وہ مرنے والا دوزخیوں میں سے ہوتا ہے تو (اسی طرح صبح و شام) دوزخیوں کے مقامات میں سے (اس کا مقام اسکے سامنے کیا جاتا ہے) اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہونے والا تیرا مستقل ٹھکانا (اور یہ اسوقت ہوگا) جبکہ اللہ تجھے اپنی طرف اٹھائیگا قیامت کے دن۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قبر میں روزانہ صبح و شام جنتیوں کو اپنا مقام دیکھ کر جو غیر معمولی لذت و مسرت حاصل ہوا کرے گی، اور دوزخیوں کو دوزخ کو اپنا ٹھکانا دیکھ کر روزانہ صبح شام جو رنج و غم مزید ہوا کرے گا، اس دنیا میں کوئی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اہل جنت میں شامل فرمائے۔

(۷۴) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ بَكٰى حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهُ فَقِيْلَ لَهُ تُذْكَرُ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَلَا تَبْكِيْ وَتَبْكِيْ مِنْ هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَشَدُّ مِنْهُ، قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ. (رواه الترمذی وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (کہ انکا حال یہ تھا) کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو بہت روتے، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو جاتی، ان سے پوچھا گیا (یہ کیا بات ہے) کہ آپ جنت و دوزخ کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کی وجہ سے اس قدر روتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ، قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، پس اگر بندہ اس سے نجات پا گیا، تو آگے کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہیں، اور اگر قبر کی منزل سے بندہ نجات نہ پا سکا، تو اسکے بعد کی منزلیں اس سے اور زیادہ سخت اور کٹھن ہیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ: نہیں دیکھا میں نے کوئی منظر مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ خوفناک اور شدید ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کسی قبر سے میرا گذر ہوتا ہے، تو قبر کے بارے میں حضور ﷺ کے یہ ارشادات یاد آ جاتے ہیں، اور فکر و غم میں مبتلا کر کے مجھے رلاتے ہیں۔

۷۵) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهُ بِالتَّثْبِيْتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عثمان ؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے، تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے اس بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرو، اور یہ بھی استدعا کرو، کہ اللہ تعالیٰ اس کو سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے، کیونکہ اس وقت اس سے پوچھ پاچھ ہو گی۔ (ابو داؤد)

۷۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ إِلَى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ فَلَمَّا صَلَّى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُضِعَ فِيْ قَبْرِهِ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ فَقَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلَى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَّجَهُ اللهُ عَنْهُ. (رواہ احمد)

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ جب (مشہور انصاری صحابی) سعد بن معاذ کی وفات ہوئی تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے جنازے پر گئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور ان کو قبر میں اتار کر جب قبر برابر کر دی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ سبحان اللہ کہا (آپ کو دیکھ کر آپ کی اتباع میں) ہم بھی دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے، پھر آپ نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کیا، تو ہم بھی آپ کے اتباع میں اللہ اکبر کہنے لگے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ "یا رسول اللہ اس وقت آپ کی اس تسبیح اور تکبیر کا کیا خاص سبب تھا؟" آپ نے فرمایا کہ "اللہ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی (جس سے اس کو تکلیف تھی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تنگی کی اس کیفیت کو دور فرما کر کشادگی پیدا فرما دی اور اس کی تکلیف دور کر دی۔" (مسند احمد)

تشریح ..... یہ سعد بن معاذ انصاری، رسول اللہ ﷺ کے مشہور اور ممتاز اصحاب کرام میں سے تھے، غزوۂ بدر کی شرکت کی فضیلت اور سعادت بھی انہیں حاصل تھی ۵ھ میں ان کا وصال ہوا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا "ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازے میں شرکت کی، اور آسمان کے دروازے ان کیلئے کھولے گئے۔ باوجود اسکے قبر کی تنگی کی تکلیف سے ان کو بھی واسطہ پڑا (اگرچہ فوراً ہی دور فرما دی گئی)۔ اس میں ہم جیسوں کیلئے بڑا انتباہ اور بڑا سبق ہے۔ اللهم ارحمنا اللهم احفظنا

۷۷) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خَطِيْبًا فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِيْ يُفْتَنُ فِيْهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذٰلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّةً. (رواہ البخاری)

حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، اور اس میں اس آزمائش کا ذکر فرمایا، جس میں مرنے والا آدمی مبتلا ہوتا ہے تو جب آپ نے اس کا ذکر فرمایا، تو خوف و دہشت سے سب مسلمان چیخ اٹھے اور ایک کہرام مچ گیا۔ (بخاری)

رہیں، دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگیں عذاب قبر سے پناہ مانگیں، ظاہر و باطن کے سب فتنوں سے پناہ مانگیں خاص کر دجال کے عظیم فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔ اور کفر و شرک اور ان سب فتنوں اور معصیتوں سے بچنے کی فکر رکھیں جو عذاب کو لانے والے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔

قیامت

۷۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ...یعنی آنحضرت ﷺ نے کلمہ شہادت والی انگلی، اور اسکے برابر والی بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا میری بعثت میں اور قیامت میں اتنا قرب اور اتصال ہے جتنا کہ ان دو انگلیوں میں۔ اس سے غالبا آپ کا مطلب یہ تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے جتنے دور مقرر کئے تھے وہ سب ختم ہو گئے اب یہ دور اس کا آخری دور ہے جو میری بعثت سے شروع ہوا ہے، اور قیامت پر ختم ہو گا، میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نیا نبی نہیں آئے گا نہ کوئی نئی امت پیدا ہو گی، اسلئے اس کو بہت دور سمجھ کر اس کی طرف سے بے فکر اور بے پرواہ نہ ہونا چاہئے۔

۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ هٰذِهِ الدُّنْيَا مَثَلُ ثَوْبٍ شُقَّ مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰى اٰخِرِهٖ فَبَقِىَ مُتَعَلِّقًا بِخَيْطٍ فِىْ اٰخِرِهٖ فَيُوْشِكُ ذَالِكَ الْخَيْطُ اَنْ يَّنْقَطِعَ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اول سے آخر تک پھاڑ دیا گیا اور بس سرے پر ایک دھاگے سے وہ جڑا رہ گیا، اور یہ آخری دھاگا بھی بس عنقریب ٹوٹا ہی چاہتا ہے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: ...پہلی حدیث کی طرح اس حدیث میں بھی قیامت کا قریب ہونا بیان فرمایا گیا ہے، اور مقصد یہی ہے کہ قیامت کو بہت دور سمجھ کے اس کی طرف سے غفلت نہ کی جائے، بلکہ اس کو بہت قریب اور ناگہانی پیش آنے والا ایک عظیم حادثہ یقین کرتے ہوئے ہر وقت اسکی فکر اور اس کیلئے تیاری کی جائے۔

۸۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِشَهْرٍ تَسْاَلُوْنِىْ عَنِ السَّاعَةِ وَاِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَاُقْسِمُ بِاللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ يَاْتِىْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِىَ حَيَّةٌ يَوْمَئِذٍ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ اپنی وفات شریف سے ایک مہینہ پہلے فرماتے تھے کہ: "تم لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو، اور اس کا (یعنی اسکے معین وقت کا)

علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی متنفس ایسا نہیں ہے کہ اس پر سو سال گذریں اور وہ اس وقت تک زندہ باقی رہے۔" (مسلم)

تشریح — قرآن پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حدیثوں سے بھی، کہ بہت سے لوگ رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے تھے، کہ وہ کب آئے گی؟ آپ ہمیشہ اسکے جواب میں وہی فرماتے تھے جو اس حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا، یعنی یہ کہ اسکے مقررہ وقت کا علم اللہ ہی کو ہے، یعنی وہی جانتا ہے، کہ کس سن کے کس مہینے کی کس تاریخ کو آئے گی، اس کا علم اس نے کسی اور کو نہیں دیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس جواب کے علاوہ اور اصل سوال سے زائد ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ اس وقت جو لوگ روئے زمین پر زندہ ہیں، وہ سب سو سال کے اندر اندر ختم ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کبریٰ جس میں یہ سارا عالم ختم ہو جائے گا، اس کا معین وقت تو مجھے معلوم نہیں، بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے، ہاں اللہ نے مجھے اس کی اطلاع دی ہے کہ اس نسل اور اس قرن کا خاتمہ سو سال تک ہو جائے گا، اور جو لوگ اس وقت زندہ ہیں، وہ سو سال پورے ہونے تک ختم ہو جائیں گے، اس لئے یوں سمجھو کہ تمہاری قیامت تو اس صدی کے اندر ہی اندر آ جائے گی۔

۸۲) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ اللَّهُ اللَّهُ. وَفِي رِوَايَةٍ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ عَلَى أَحَدٍ يَقُولُ اللَّهُ اللَّهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ — حضرت انسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ (ایسا برا وقت نہ آ جائے کہ) بالکل نہ کہا جائے دنیا میں اللہ اللہ۔ اور اسی حدیث کو بعض راویوں نے اس طرح نقل کیا ہے کہ "قیامت نہیں قائم ہوگی کسی ایسے شخص پر جو اللہ اللہ کہتا ہو۔" [1] (مسلم)

تشریح — مطلب یہ ہے کہ قیامت اس وقت آئے گی جبکہ دنیا اللہ کی یاد سے اور اللہ کو یاد کرنے والوں سے بالکل ہی خالی ہو جائے گی اور اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری اور اللہ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق کا دنیا سے بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ جب ایسا وقت آئے گا، اس وقت یہ پورا عالم فنا کر دیا جائے گا، گویا اللہ کا ذکر اور اللہ کے ساتھ بندگی کا صحیح تعلق اس عالم کی روح اور اسکے باقی رہنے کیلئے وجہ جواز ہے، جس دن ہماری یہ دنیا اس سے بالکل خالی ہو جائے گی اسی دن اپنے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کے حکم سے توڑ پھوڑ کے برابر کر دی جائے گی۔

۸۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ الْخَلْقِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ — عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "قیامت نہیں قائم ہوگی مگر بدترین آدمیوں پر۔" (مسلم)

---

[1] بعض حضرات نے اس حدیث سے ذکر اسم ذات کی صحت اور اسکے مشروع ہونے پر استدلال کیا ہے، اور بلاشبہ یہ استدلال بہت لطیف اور صحیح ہے۔ اللہ کی رحمت ہو شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر اس مسئلہ پر غور کرتے وقت ان کی نظر غالباً اس حدیث کی طرف گئی نہیں۔ ۱۲

تشریح — مطلب یہ ہے کہ اللہ سے تعلق رکھنے والے اچھے لوگ جب سب ختم ہو جائیں گے اور یہ دنیا جب صرف بدکرداروں اور خدا فراموشوں ہی کی دنیا رہ جائے گی، تب اللہ کے حکم سے قیامت آجائے گی۔

(۸۴) عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ يخرج الدجال فيمكث اربعين لا ادري اربعين يوما او شهرا او عاما فيبعث الله عيسى ابن مريم كانه عروة بن مسعود فيطلبه فيهلكه ثم يمكث الناس سبع سنين ليس بين اثنين عداوة ثم يرسل الله ريحا باردة من قبل الشام فلا يبقى على وجه الارض احد في قلبه مثقال ذرة من خير او ايمان الا قبضته حتى لو ان احدكم دخل في كبد جبل لدخلته عليه، حتى تقبضه قال فيبقى شرار الناس في خفة الطير واحلام السباع لا يعرفون معروفا ولا ينكرون منكرا فيتمثل لهم الشيطان فيقول الا تستجيبون فيقولون فما تامرنا فيامرهم بعبادة الاوثان وهم في ذالك دار رزقهم حسن عيشهم ثم ينفخ في الصور فلا يسمعه احد الا اصغى ليتا ورفع ليتا قال واول من يسمعه رجل يلوط حوض ابله فيصعق ويصعق الناس ثم يرسل الله مطرا كانه الطل فتنبت منه اجساد الناس ثم ينفخ فيه اخرى فاذا هم قيام ينظرون ثم يقال يا ايها الناس هلم الى ربكم وقفوهم انهم مسئولون فيقال اخرجوا بعث النار فيقال من كم فيقال من كل الف تسعمائة وتسعين، قال فذالك يوم يجعل الولدان شيبا وذالك يوم يكشف عن ساق. (رواه مسلم)

ترجمہ — حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(قیامت سے پہلے) دجال کا خروج ہوگا، اور وہ ٹھہرے گا چالیس تک" (اس حدیث کے روایت کرنے والے صحابی عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ) میں نہیں جانتا کہ حضور (ﷺ) کا مطلب چالیس سے چالیس دن تھے یا چالیس مہینے، یا چالیس سال۔ آگے حدیث بیان کرتے ہیں، کہ پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو (اس دنیا میں) بھیجیں گے، گویا کہ وہ عروہ بن مسعود ہیں (یعنی ان کی شکل و صورت عروہ بن مسعود ثقفی سے بہت ملتی جلتی ہوگی) وہ دجال کو تلاش کریں گے (اور اس کا تعاقب کریں گے) اور اس کو پاکر اس کا خاتمہ کردیں گے۔ پھر (دجال کا خاتمہ کردینے کے بعد) سات سال تک وہ اس دنیا کے لوگوں اور ان کے ساتھ رہیں گے، اور (ان کی برکت سے لوگوں میں ایسا اتحاد و اتفاق ہو جائے گا کہ) دو آدمی بھی ایسے نہیں رہیں گے جن میں باہم عداوت اور دشمنی ہو، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے (ایک خاص قسم کی) ٹھنڈی ہوا چلائے گا، جس کا اثر یہ ہوگا، کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی نیکی ہو یا فرمایا کہ ذرہ برابر ایمان ہو، (بہر حال اس ہوا سے تمام اہل ایمان اور اہل خیر ختم ہو جائیں گے) یہاں تک کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی پہاڑ کے اندر چلا جائے گا، تو یہ ہوا وہیں پہنچ کر اس کا خاتمہ کرے گی۔[1] آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد صرف خراب آدمی ہی دنیا میں رہ جائیں گے (جن کے دل ایمان اور نیکی سے بالکل خالی ہوں گے) ان میں پرندوں والی تیزی اور پھرتی اور درندوں والا ذہن ہوگا (اس کا مطلب ظاہر یہ

[1] یہ ہوا اہل ایمان کے لئے رحمت کی ہوا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے بھیجی جائے گی کہ سب اچھے بندوں کو قیامت سے پہلے اٹھا لیا جائے تاکہ وہ قیامت کے شدائد سے محفوظ رہیں ۱۲

فی ہزار میں سے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوگی، جو اگرچہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کے اہل ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے یا شافعین کی سفارش سے آخر میں وہ نجات پا جائیں گے۔ اللھم ان مغفرتك اوسع من ذنوبنا ورحمتك ارجی عندنا من اعمالنا

۸۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ كَیْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَهٗ وَ اَصْغٰى سَمْعَهٗ وَحَنٰى جَبْهَتَهٗ یَنْتَظِرُ مَتٰى یُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَمَا تَاْمُرُنَا؟ قَالَ قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: ابو سعید خدری سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں کیونکر خوش اور بے غم ہو کر رہ سکتا ہوں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صور والا فرشتہ صور کو اپنے منہ میں لئے ہوئے ہے، اور اپنا کان اسنے لگا رکھا ہے اور اسکی پیشانی خمیدہ اور جھکی ہوئی ہے، وہ انتظار کر رہا ہے کہ کب اس کو صور کے پھونک دینے کا حکم ہو، اور وہ پھونک دے، (یعنی جب مجھے اس واقعہ کا علم ہے، تو میں کیسے اس دنیا میں اطمینان سے اور خوشی سے رہ سکتا ہوں) صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! تو ہمیں آپ کا کیا حکم ہے، (ان کا مطلب یہ تھا کہ جب معاملہ اتنا خطرناک ہے، تو ہماری رہنمائی فرمایئے کہ قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے بچنے کیلئے ہم کیا کریں؟)" آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہو "حسبنا اللہ و نعم الوکیل"۔ [illegible]

۸۶) عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ كَیْفَ یُعِیْدُ اللّٰہُ الْخَلْقَ وَمَا اٰیَةُ ذٰلِكَ فِیْ خَلْقِهٖ قَالَ اَمَا مَرَرْتَ بِوَادِیْ قَوْمِكَ جَدْبًا ثُمَّ مَرَرْتَ بِهٖ یَهْتَزُّ خَضِرًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَتِلْكَ اٰیَةُ اللّٰہِ فِیْ خَلْقِهٖ كَذٰلِكَ یُحْیِی اللّٰہُ الْمَوْتٰى۔ (رواہ رزین)

ترجمہ: رزین عقیلی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے (ایک دفعہ) عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ کیسے پیدا کرے گا، اور (اس عالم میں) اس کی مخلوق میں اس کی کیا نشانی ہے (اور کیا دلیل اور مثال ہے) آپ نے فرمایا "کیا تمہارے لئے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تم اپنی قوم کی وادی پر ایسی حالت میں گذرے ہو جبکہ وہ (پانی نہ برسنے کی وجہ سے) سبزہ سے خالی اور خشک ہو، اور پھر کبھی ایسی حالت میں گذرے ہو کہ (پانی برس جانے کی وجہ سے) وہ ہری لہلہا رہی ہو۔ (ابو رزین کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، ہاں! (ایسا ہوا ہے، اور میں نے یہ دونوں منظر دیکھے ہیں)۔ آپ نے فرمایا "حیات بعد الموت کو سمجھنے کے لئے) یہی اللہ کی نشانی ہے اس کی مخلوق میں، ایسے ہی زندہ کر دے گا اللہ مُردوں کو۔ [illegible]

۸۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ كَاَنَّهٗ رَاْیُ عَیْنٍ فَلْیَقْرَاْ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ. (رواہ احمد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص کی یہ خوشی ہو، یعنی جو یہ چاہے کہ قیامت کا منظر وہ اس طرح دیکھے، کہ گویا اب بچشم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، تو قرآن مجید کی سورۃ اذا الشمس کورت، و اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت پڑھے۔"

۸۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ هٰذِهِ الْآيَةَ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا أَخْبَارُهَا قَالُوا اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ وَأَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا أَنْ تَقُوْلَ عَمِلَ عَلَيَّ كَذَا وَكَذَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَهٰذِهِ أَخْبَارُهَا. (رواه احمد والترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ زلزال کی یہ آیت تلاوت فرمائی "یومئذ تحدث اخبارھا" (جس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرے گی) پھر حاضرین سے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ معلوم ہے، آپ نے فرمایا اس کی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر بندہ اور ہر بندی کے متعلق شہادت دے گی، کہ اس نے فلاں دن میرے اوپر فلاں کام کیا تھا، اور فلاں دن فلاں عمل کیا تھا، پس یہ ہیں زمین کی خبریں (جو قیامت کے دن وہ بیان کرے گی)۔ (مسند احمد، ترمذی)

گویا انسان جو عمل زمین کے جس حصے پر کرتا ہے زمین کا وہ حصہ اس کو محفوظ رکھتا ہے اور قیامت تک محفوظ رکھے گا، اور اللہ کے سامنے اس کی شہادت ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس دن اس پر اس وقت کی رسوائیوں سے حفاظت فرمائے۔

اس قسم کی چیزوں پر یقین لانا ایمان والوں کے لئے تو پہلے بھی مشکل نہ تھا، لیکن اب تو ریکارڈ وغیرہ کی ایجادوں نے ان باتوں کا سمجھنا اور ان پر یقین کرنا سب کے لئے آسان کر دیا ہے۔

صدق اللہ عزوجل سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم۔

۸۹) عَنِ الْمِقْدَادِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ فَيَكُوْنُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ إِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ إِلٰى حَقْوَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ إِلْجَامًا وَأَشَارَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ إِلٰى فِيْهِ. (رواه مسلم)

حضرت مقدادؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے، "قیامت کے دن سورج مخلوق سے بہت قریب ہو جائیگا، یہاں تک کہ ان سے صرف ایک میل کے بقدر رہ جائیگا اور (اسی گرمی سے) لوگ بقدر اپنے اعمال کے پسینہ پسینہ ہو جائیں گے (یعنی جسکے اعمال جتنے برے ہوں گے اسی قدر اس کو پسینہ زیادہ چھوٹے گا) پس بعض وہ ہوں گے جنکا پسینہ انکے ٹخنوں تک آئیگا اور بعض کا پسینہ انکے گھٹنوں تک ہوگا، اور بعض کا انکے کولہوں کے اوپر تک (یعنی کمر تک) اور بعض وہ ہوں گے جن کا پسینہ ان کے منہ تک چڑھا ہوا ہوگا، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دہن مبارک کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے دکھایا (کہ ان کا پسینہ یہاں تک پہنچا ہوا ہوگا اور ان کے اس منہ میں چڑھا ہوا ہوگا)"۔ (مسلم)

قیامت اور آخرت میں پیش آنے والے ان واقعات کی جو واقعی نوعیت ہوگی اس کا اس دنیا میں صحیح تصور نہیں کیا جا سکتا، پورا انکشاف بس اسی وقت ہوگا جبکہ یہ حقائق سامنے آئیں گے۔

(۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلٰثَةَ اَصْنَافٍ صِنْفًا مُشَاةً وَصِنْفًا رُكْبَانًا وَ صِنْفًا عَلٰى وُجُوْهِهِمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ يَمْشُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ؟ قَالَ اِنَّ الَّذِیْ اَمْشَاهُمْ عَلٰى اَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّمْشِيَهُمْ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَمَا اِنَّهُمْ يَتَّقُوْنَ بِوُجُوْهِهِمْ كُلَّ حَدَبٍ وَشَوْكٍ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "قیامت کے دن سب آدمی تین قسموں اور تین گروہوں میں اٹھائے جائیں گے، ایک قسم پیدل چلنے والے، اور ایک قسم سوار، اور ایک قسم منہ کے بل چلنے والے"۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! یہ (تیسرے گروہ والے) منہ کے بل کس طرح چل سکیں گے؟" آپ نے فرمایا "جس اللہ نے انہیں پاؤں کے بل چلایا ہے، وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ ان کو منہ کے بل چلائے"۔ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لوگ اپنے منہ کے ذریعے ہی زمین کے ہر ٹیلے، ٹھیرے، اور ہر کانٹے سے بچیں گے۔ (ترمذی)

تشریح: ... حدیث میں جن تین گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے شارحین حدیث نے ان کی تفصیل اس طرح کی ہے، کہ پیدل چلنے والا گروہ عام اہل ایمان کا ہوگا، اور دوسرا گروہ جو سواریوں پر ہوگا، وہ خاص مقربین اور عباد صالحین کا گروہ ہوگا، جن کا وہاں شروع ہی سے اعزاز و اکرام ہوگا، اور سر کے بل، اور منہ کے بل چلنے والے وہ بدنصیب ہوں گے، جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق سیدھا چلنا قبول نہیں کیا، اور مرتے دم تک وہ الٹے ہی چلتے رہے۔ قیامت کے دن اس کی پہلی سزا انہیں یہ ملے گی، کہ سیدھے پاؤں پر چلنے کے بجائے وہاں وہ الٹے منہ کے اور سر کے بل چلائے جائیں گے، یہاں تک کہ جس طرح اس دنیا میں چلنے والے راستے کی اونچ نیچ سے، اور جھاڑیوں اور کانٹوں سے اپنے پاؤں کے ذریعہ بچ کر نکلتے ہیں، اسی طرح قیامت میں یہ سر کے بل چلنے والے وہاں کے راستے کی اونچ نیچ سے، اور وہاں کے کانٹوں سے اپنے سروں اور چہروں ہی کے ذریعہ بچ کر نکلیں گے، یعنی یہاں پر جو کام پاؤں سے کئے جاتے ہیں، وہاں وہ سب کام خدا کے ان مجرموں کو سر سے اور منہ سے کرنے پڑیں گے۔ اللّٰهم لا تجعلنا منهم

(۹۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَّمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ قَالُوْا وَمَا نَدَامَتُهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ اِزْدَادَ وَاِنْ كَانَ مُسِيْئًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ نَزَعَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص بھی مرے گا، اس کو (مرنے کے بعد اپنی زندگی پر) ندامت اور پشیمانی ضرور ہوگی"۔ عرض کیا گیا کہ حضرت! اس کو ندامت کیوں ہوگی اور اس کا کیا سبب ہوگا؟ آپ نے فرمایا، اگر وہ مرنے والا نیکوکار ہوگا، تو اس کو تو اس کی ندامت اور حسرت ہوگی، کہ اس نے نیکوکاری میں اور زیادہ ترقی کیوں نہیں کی (اور جو حسنات وہ کما کے لایا ہے اس سے زیادہ کیوں نہیں کما کے لایا) اور اگر وہ بدکار ہوگا، تو اس کو اس کی ندامت و حسرت ہوگی، کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہیں رہا"۔ (ترمذی)

ہیں، اور انکے درمیان کوئی کشمکش نہیں ہوتی، اسی طرح قیامت میں سب اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھ سکیں گے۔ پھر مزید برآں آپ نے یہ بھی فرمایا، کہ بعض لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بڑی بڑی نعمتیں دے رکھی ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کو بالکل بھولے ہوئے ہیں، اور آخرت کی پیشی سے بالکل بے فکر ہو گئے ہیں، جب قیامت میں اللہ تعالیٰ سے انکا سامنا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا، تو اس دن وہ کیسے لاجواب، اور کیسے ذلیل و خوار ہوں گے، اور ان میں سے جو دیدہ دور اور بے حیا منافق اس وقت غلط بیانی کریں گے، اللہ تعالیٰ خود انہیں کے اعضاء اور انہیں کے گوشت، اور انہیں کی ہڈیوں سے ان کے خلاف گواہی دلوا کر ان پر حجت قائم فرمادیں گے، اور اس طرح علی رؤس الاشہاد ان کے جھوٹ، اور ان کی منافقت کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے اصل سوال سے زائد یہ بیان، سوال کرنے والے صحابہ کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا، کہ قیامت میں صرف اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ہی نہ ہوگا بلکہ حق تعالیٰ نے جو نعمتیں جس کو دی ہیں اس وقت وہاں ان کی بابت پوچھ گچھ بھی کرے گا۔ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ اور جن لوگوں نے اللہ کے احکام سے بے پرواہو کر اور آخرت کی پیشی سے بے فکر رہ کر ان نعمتوں کو دنیا میں استعمال کیا ہوگا، وہ اس دن سیاہ رو ہوں گے اور وہاں ان کی مکاری اور عیاری بالکل پردہ پوشی نہ کر سکے گی۔

(۹۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَيَسْتُرُهُ فَيَقُولُ أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا فَيَقُولُ نَعَمْ أَيْ رَبِّ! حَتَّى قَرَّرَهُ بِذُنُوبِهِ وَرَأَى فِي نَفْسِهِ أَنَّهُ قَدْ هَلَكَ قَالَ سَتَرْتُهَا لَكَ فِي الدُّنْيَا وَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ فَيُعْطَى كِتَابَ حَسَنَاتِهِ وَأَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُونَ فَيُنَادَى بِهِمْ عَلَى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ○ (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت میں اللہ تعالیٰ ایمان والے اپنے بندے کو (اپنی رحمت سے) قریب کرے گا، اور اس پر اپنا خاص پردہ ڈالے گا، اور دوسروں سے اس کو پردہ میں کرے گا، پھر اس سے پوچھے گا، کہ کیا تو پہچانتا ہے فلاں گناہ، فلاں گناہ (یعنی کیا تجھے یاد ہے، کہ تو نے یہ یہ گناہ کئے تھے؟) وہ عرض کرے گا ہاں اے پروردگار! مجھے یاد ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسکے سارے گناہوں کا اس سے اقرار کرالے گا، اور وہ اپنے جی میں خیال کرے گا کہ میں تو ہلاک ہوا (یعنی اس کو خیال ہوگا، کہ جب اتنے میرے گناہ ہیں، تو اب میں کیسے چھٹکارا پاسکوں گا) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کو چھپایا تھا، اور آج میں ان کو بخشتا ہوں اور معاف دیتا ہوں، پھر اس کا نیکیوں والا اعمال نامہ اسکے حوالے کر دیا جائے گا (یعنی اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں والا ہی اعمال نامہ آئے گا، اور گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پردہ ہی پردہ میں ختم کر دیں گے) لیکن اہل کفر اور منافقین کا معاملہ یہ ہوگا، کہ ان کے متعلق برسر عام پکارا جائے گا، کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اللہ پر جھوٹی باتیں باندھیں (یعنی غلط اور بے اصل خیالات کو اللہ کی طرف نسبت دے کر اپنا دین، مذہب بنایا) خبردار اللہ کی لعنت ہے ایسے ظالموں پر۔

۹۵) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا ذَكَرَتِ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا يُبْكِيْكِ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُوْنَ أَهْلِيْكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَمَّا فِيْ ثَلٰثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ أَحَدٌ أَحَدًا عِنْدَ الْمِيْزَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ أَيَخِفُّ مِيْزَانُهٗ أَمْ يَثْقُلُ وَعِنْدَ الْكِتَابِ حِيْنَ يُقَالُ هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ حَتّٰى يَعْلَمَ أَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ أَمْ فِيْ شِمَالِهٖ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهٖ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ إِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ انہیں ایک دفعہ دوزخ کا خیال آیا، اور وہ رونے لگیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، تمہیں کس چیز نے رلایا؟ عرض کیا، مجھے دوزخ یاد آئی، اور اسی کے خوف نے مجھے رلایا ہے، تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تین جگہ تو کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا (اور کسی کی خبر نہیں لے گا) ایک وزن اعمال کے وقت، جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے، کہ اس کے اعمال کا وزن ہلکا ہے یا بھاری، اور دوسرے اعمال ناموں کے ملنے کے وقت جبکہ مرد مؤمن داہنے ہاتھ میں اپنا اعمال نامہ پا کر خوشی خوشی دوسرے سے کہے گا کہ پڑھو میرا اعمال نامہ، یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ کس ہاتھ میں دیا جاتا ہے اس کا اعمال نامہ، آیا داہنے ہاتھ میں، یا پیچھے کی جانب سے بائیں ہاتھ میں، اور تیسرے پل صراط پر جبکہ وہ رکھا جائے گا، جہنم کے اوپر (اور حکم دیا جائے گا سب کو اس پر سے گزرنے کا)۔

تشریح رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ تین وقت ایسے نفسا نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک کو صرف اپنی فکر ہوگی، اور کوئی کسی دوسرے کی مدد نہ کر سکے گا، ایک وزن اعمال کا وقت، جب تک کہ نتیجہ معلوم نہ ہو جائے گا، اور دوسرا وہ وقت جب لوگ اپنے اپنے اعمال ناموں کے منتظر ہوں گے، اور ہر ایک اس فکر میں غرق ہوگا، کہ اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے، وہ مغفرت اور رحمت کا مستحق قرار پاتا ہے یا لعنت اور عذاب کا، اور تیسرے اس وقت، جبکہ صراط کا پل جہنم پر لگا دیا جائے گا اور اس پر سے گزرنے کا حکم ہوگا، تو یہ تین وقت ایسے نفسا نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ڈوبا ہوگا، اور کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا۔

اس حدیث کی روح اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا منشاء بس یہی ہے، کہ ہر شخص آخرت کی فکر کرے، اور کوئی کسی دوسرے کے بھروسہ نہ رہے۔

قیامت میں حقوق العباد کا انصاف

۹۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ لِيْ مَمْلُوْكِيْنَ يُكَذِّبُوْنَنِيْ وَيَخُوْنُوْنَنِيْ وَيَعْصُوْنَنِيْ وَأَشْتِمُهُمْ وَأَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ أَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوْكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ

میزان اعمال میں اللہ کے نام کا وزن

۹۷ — عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ ان الله سيخلص رجلا من امتي على رؤس الخلائق يوم القيمة فينشر عليه تسعة وتسعين سجلا كل سجل مثل مد البصر ثم يقول اتنكر من هذا شيئا اظلمتك كتبتي الحافظون فيقول لا يا رب فيقول افلك عذر قال لا يا رب فيقول بلى ان لك عندنا حسنة وانه لا ظلم عليك اليوم فتخرج بطاقة فيها اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله فيقول احضر وزنك فيقول يا رب ما هذه البطاقة مع هذه السجلات فيقول انك لا تظلم قال فتوضع السجلات في كفة والبطاقة في كفة فطاشت السجلات وثقلت البطاقة فلا يثقل مع اسم الله شيء (رواه الترمذي وابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو ساری مخلوق کے روبرو الگ نکالے گا، اور اسکے سامنے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے، جن میں ہر دفتر کی لمبائی گویا حد نظر تک ہوگی (یہ دفتر اسکے اعمال نامے ہوں گے) پھر اس سے فرمایا جائے گا کہ (تیرے جو اعمال ان دفتروں میں لکھے ہوئے ہیں) کیا ان میں سے کسی کا تجھے انکار ہے؟ کیا تیرے اعمال کی نگرانی کرنے والے اور لکھنے والے میرے فرشتوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے (اور غلط طور پر کوئی گناہ تیرے اعمال نامے میں لکھ دیا ہے) وہ عرض کرے گا کہ نہیں پروردگار! (مجھ پر کسی نے ظلم نہیں کیا ہے بلکہ یہ سب میرے کئے ہوئے اعمال ہیں)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے، وہ عرض کرے گا، خداوندا میرے پاس کوئی عذر بھی نہیں (الغرض یہاں تک کہ سوال وجواب سے خود اس شخص کو اور دوسرے لوگوں کو بھی خیال ہوگا کہ یہ بندہ اب گرفت اور عذاب سے کہاں بچ سکے گا، لیکن ارحم الراحمین کی رحمت کا اس طرح ظہور ہوگا کہ) اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائیں گے، ہاں! ہمارے پاس تیری ایک خاص نیکی بھی ہے، اور آج تیرے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوگا (اور اس نیکی کے فائدے سے تجھے محروم نہیں کیا جائے گا)۔ یہ فرما کر کاغذ کا ایک پرزہ نکالا جائے گا۔ اس میں لکھا ہوگا "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله" اور اس بندے سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے وزن کے پاس حاضر ہو (یعنی چل کر اپنے سامنے وزن کرا) وہ عرض کرے گا، خداوندا! ان دفتروں کے سامنے اس پرزہ کی کیا حقیقت ہے اور ان سے اس کو کیا نسبت ہے (یعنی میں وہاں جا کر کیا دیکھوں گا اور کیا کروں گا، نتیجہ تو معلوم ہی ہے، کہاں اتنے بڑے بڑے ننانوے دفتر، اور کہاں یہ ذرا سا پرزہ) اللہ تعالیٰ فرمائے گا، نہیں تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی پورا پورا انصاف کیا جائے گا، جس پرزہ کو تو معمولی اور بے وزن سمجھ رہا ہے تیرے سامنے اس کا بھی وزن کیا جائے گا، اور آج اس کا اور اس میں لکھے ہوئے ایمانی کلمہ کا وزن ظاہر ہوگا اور اس کا تجھے پورا پورا فائدہ پہنچایا جائے گا، اس لئے تامل نہ ہو، اور میزان کے پاس جا کر وزن کو دیکھ) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ ننانوے دفتر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے، اور کاغذ کا وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں، پس ہلکے ثابت ہوں گے وہ دفتر اور بھاری رہے

کا وزن ہو، اور کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی اللہ کے نام کے مقابلے میں۔ (رواہ الترمذی)

تشریح: بعض شارحین نے اس حدیث کی توجیہ میں لکھا ہے کہ یہ شہادت کا وہ کلمہ ہو گا جو کفر و شرک سے نکلنے کے لئے اور ایمان و اسلام میں آنے کے لئے پہلی دفعہ دل و زبان سے پڑھا گیا ہو گا، قیامت میں وزن اعمال کے وقت اس کا یہ اثر ظاہر ہو گا کہ ساری عمر کے پہلے گناہ اس کے اثر سے بے وزن اور بے اثر ہو جائیں گے پہلے بھی ایک حدیث گذر چکی ہے "ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ" (یعنی اسلام قبول کرنے سے وہ سارے گناہ ختم ہو جاتے ہیں جو پچھلی زندگی میں آدمی نے کئے ہوں)۔

اور ایک دوسری توجیہ اس حدیث کی یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ معاملہ اس شخص کا ہو گا جو مدت دراز تک غفلت اور بے پروائی سے گناہ پر گناہ کرتا رہا اور دفتر کے دفتر لکھے جاتے رہے، پھر اللہ نے اسے توفیق دی اور اسے دل کی گہرائی سے اور پورے اخلاص سے اس کلمہ شہادت اور کلمہ ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی ایمانی نسبت کو درست کر لیا اور اسی پر اس کو موت آ گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آسان حساب

۹۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ فِىْ بَعْضِ صَلَوَاتِهِ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِىْ حِسَابًا يَسِيْرًا قُلْتُ يَا نَبِىَّ اللهِ مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ قَالَ اَنْ يَنْظُرَ فِىْ كِتَابِهِ فَيَتَجَاوَزَ عَنْهُ اِنَّهُ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے بعض نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِىْ حِسَابًا يَسِيْرًا (اے اللہ! میرا حساب آسان فرما)

میں نے عرض کیا "حضرت! آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟" آپ نے فرمایا "آسان حساب یہ ہے کہ بندہ کے اعمال نامہ پر نظر ڈالی جائے اور اس سے درگذر کی جائے (یعنی کوئی پوچھ گچھ اور جرح نہ کی جائے) بات یہ ہے کہ جس کے حساب میں اس دن جرح کی جائے گی اے عائشہ (اس کی خیر نہیں) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مسند احمد)

ایمان والوں کیلئے قیامت کا دن کیسا ہلکا اور مختصر ہو گا

۹۹) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىِّ اَنَّهُ اَتٰى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقَالَ اَخْبِرْنِىْ مَنْ يَقْوٰى عَلَى الْقِيَامِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِىْ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ "يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ" فَقَالَ يُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُوْنَ عَلَيْهِ كَالصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ. (رواہ البیہقی فی البعث والنشور)

ترجمہ: ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "مجھے بتائیے کہ قیامت کے دن جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اس دن لوگ کھڑے ہوں گے رب العالمین کے حضور میں، تو اس دن کس کو کھڑے رہنے کی طاقت اور قدرت ہو گی (اور کون اس پورے دن کھڑا رہ

سکے گا جس کے متعلق قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ (وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "سچے ایمان والوں کے حق میں یہ کھڑا ہونا بہت ہلکا اور خفیف کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ ان کیلئے بس ایک فرض نماز کی طرح ہو جائے گا۔ (رواہ احمد والبیہقی)

تشریح۔۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ابو سعید خدری کو جو جواب دیا اس کا اشارہ قرآن میں بھی موجود ہے سورہ مدثر میں فرمایا گیا ہے کہ:

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝

تو جب صور پھونک دیا جائے گا تو وہ دن بڑا سخت ہوگا ایمان نہ لانے والوں کیلئے آسان نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سختی اور بھاری دن ایمان والوں کے حق میں سخت اور بھاری نہ ہوگا بلکہ آسان اور ہلکا کر دیا جائے گا۔

راتوں کو اللہ کیلئے جاگنے والوں کا جنت میں بے حساب داخلہ

۱۰۰) **عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يُحْشَرُ النَّاسُ فِيْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ فَيَقُوْلُ اَيْنَ الَّذِيْنَ كَانَتْ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ فَيَقُوْمُوْنَ وَهُمْ قَلِيْلٌ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ثُمَّ يُؤْمَرُ سَائِرُ النَّاسِ اِلَى الْحِسَابِ.** (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب لوگ (زندہ کئے جانے کے بعد) ایک وسیع اور ہموار میدان میں جمع کئے جائیں گے (یعنی سب میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے) پھر اللہ کا منادی پکارے گا کہ کہاں ہیں وہ بندے جن کے پہلو راتوں کو بستروں سے الگ رہتے تھے (یعنی اپنے بستر چھوڑ کر جو راتوں کو تہجد پڑھتے تھے) پس وہ اس پکار پر کھڑے ہو جائیں گے اور ان کی تعداد زیادہ نہ ہوگی، پھر وہ اللہ کے حکم سے بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں گے اس کے بعد باقی تمام لوگوں کے لئے حکم ہوگا کہ وہ حساب کے لئے حاضر ہوں۔ (رواہ البیہقی)

امت محمدیہ ﷺ کی بہت بڑی تعداد کا حساب کے بغیر جنت میں داخلہ

۱۰۱) **عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ وَعَدَنِيْ رَبِّيْ اَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا وَّثَلٰثُ حَثَيَاتٍ مِّنْ حَثَيَاتِ رَبِّيْ.** (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ "میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو وہ بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے گا، اور ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ستر ہزار اور ہوں گے۔ اور تین لپے اور میرے پروردگار کے لپوں میں سے (میری امت میں سے بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے جائیں گے)"

تشریح — جب دونوں ہاتھ بھر کر کسی کو کوئی چیز دی جائے، تو عربی میں اس کو حثیہ کہتے ہیں جس کو اردو والے ہندی میں لپ بھر کے دینا کہتے ہیں، تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب اور بلا عذاب جنت میں داخل کرے گا، اور پھر ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہی اور اسی طرح بلا حساب و عذاب جنت میں جائیں گے۔ اور اس سب کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص شان رحمت سے اس امت کی بہت بڑی تعداد کو تین دفعہ کر کے اور جنت میں بھیجے گا، اور یہ سب وہی ہونگے جو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہونگے۔

سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

انتباہ — اس قسم کی حدیثوں کی پوری حقیقت اسی وقت کھلے گی جب یہ سب باتیں عملی طور پر سامنے آئیں گی، اس دنیا میں تو ہمارا علم و ادراک اتنا ناقص ہے کہ بہت سے ان واقعات کو صحیح طور پر سمجھنے سے بھی ہم قاصر رہتے ہیں، جن کی خبریں ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں، مگر اس قسم کے واقعات کا بھی ہم نے تجربہ اور مشاہدہ کیا ہوا نہیں ہوتا۔ صدق ربنا عزّ و جلّ وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

حوض کوثر، صراط اور میزان

حدیثوں میں آخرت کی جن چیزوں کا اہتمام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں، ایک حوض کوثر، دوسری صراط، اور تیسری میزان۔

پھر کوثر کو بعض احادیث میں حوض کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعض میں نہر کے لفظ سے۔ پھر بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوثر جنت کے اندر واقع ہے، اور اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محل وقوع جنت سے باہر ہے اور اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے اس حوض پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں باریاب ہو کر آپ کے دست کرم سے اس کا نہایت سفید و شفاف اور بے انتہا لذیذ و شیریں پانی نوش جان کریں گے، اور تحقیق یہ ہے کہ کوثر کا اصل مرکزی چشمہ جنت کے اندر ہے، اور جنت کے طول و عرض میں اس کی شاخیں نہروں کی شکل میں ہر طرف جاری ہیں۔ اور جس کو حوض کوثر کہا جاتا ہے وہ سینکڑوں میل کے طول و عرض میں ایک نہایت حسین و جمیل تالاب ہے جو جنت سے باہر ہے لیکن اس کا تعلق اسی جنت کے اندر کے چشمہ سے ہے، گویا اس میں جو پانی ہو گا وہ جنت ہی کے اس چشمہ سے نہروں کے ذریعہ آئے گا۔ آج کل کے متمدن شہروں میں واٹر ورکس کا جو نظام ہے اس نے کوثر کی اس نوعیت کا سمجھنا الحمد للہ سب کے لئے آسان کر دیا ہے۔

یہاں ایک چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ حوض کے لفظ سے عموماً لوگوں کا ذہن اسی قسم کے حوضوں کی طرف جاتا ہے جس قسم کے حوض انہوں نے عموماً دنیا میں دیکھے ہوتے ہیں، لیکن حوض کوثر اپنی معنوی کیفیات اور اپنی خوش منظری میں تو دنیا کے حوضوں سے اتنا ممتاز اور فائق ہو گا ہی جتنا کہ جنت کی کسی چیز کو دنیاوی چیزوں کے مقابلے میں ہونا چاہئے، مگر اس کے علاوہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رقبہ اور علاقہ

بھی اتنا ہوگا کہ ایک راہرو اسکے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کی مسافت ایک مہینے میں طے کر سکے گا اور ایک حدیث میں اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کا فاصلہ عدن اور عمان کے فاصلے کے برابر بتلایا گیا ہے۔

بہر حال آخرت کی چیزوں کے متعلق احادیث میں جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے اسکی روشنی میں بھی ان چیزوں کا صحیح تصور اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا، ان چیزوں کی جو واقعی نوعیت اور صورت ہے وہ صحیح طور پر تو سامنے آنے کے بعد ہی معلوم ہوگی۔

یہی بات صراط اور میزان وغیرہ کے بارے میں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

۱۰۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا أَسِيْرُ فِي الْجَنَّةِ إِذَا أَنَا بِنَهْرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ قُلْتُ مَا هٰذَا يَا جِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِيْ أَعْطَاكَ رَبُّكَ فَإِذَا طِيْنُهُ مِسْكٌ أَذْفَرُ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: انسؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس اثنا میں کہ میں جنت میں چلا جا رہا تھا، میرا گذر ایک (عجیب و غریب) نہر پر ہوا اسکے دونوں جانب "قباب الدر" سے (یعنی اندر سے خالی کئے ہوئے موتیوں سے) تیار کئے ہوئے قبے تھے، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے بتلایا کہ یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے، میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی (جو اسکی تہ میں تھی) وہ نہایت مہکنے والے مشک کی طرح خوشبودار تھی۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت میں سیر کرتے ہوئے نہر کوثر پر گذرنے کا جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، غالباً یہ شب معراج کا ہے، اور حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ "یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے" تو یہ قرآن مجید کی آیت "إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ" کی طرف اشارہ ہے، اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے آپ کو کوثر دیا" کوثر کے اصل معنی خیر کثیر کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خیر کے جو خزانے عطا فرمائے، مثلاً قرآن و شریعت اور اعلیٰ روحانی صفات، اور دنیا اور آخرت میں آپ کی رفعت شان وغیرہ، سو یہ سب بھی کوثر کے عموم میں اگرچہ داخل ہیں، لیکن جنت کی یہ نہر اور اس سے متعلق وہ حوض جو میدان حشر میں ہوگا (جس سے اللہ کے بے شمار بندے سیراب ہوں گے) لفظ کوثر کا خاص مصداق ہیں، یا یوں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین و ایمان کے سلسلہ کی جو بیش بہا نعمتیں عطا فرمائی تھیں، جو آپ کے ذریعے سے اللہ کے بے شمار بندوں تک پہنچیں، آخرت میں ان کا ظہور اس نہر کوثر اور حوض کوثر کی شکل میں ہوگا، جن سے اللہ کے بے شمار بندے فیضیاب اور سیراب ہوں گے۔

۱۰۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوْضِيْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ وَزَوَايَاهُ سَوَاءٌ مَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيْحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيْزَانُهُ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ

مجرد ایمان اور توحید کا اعتقاد تو ہوگا لیکن عمل خیر سے وہ بالکل خالی ہوں گے (بخاری و مسلم ہی کی ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں غالباً اسی گروہ کے حق میں [illegible] کے الفاظ آئے ہیں، جس کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے [illegible] یعنی ان مسکینوں کو جہنم سے نکالنے کا کام میں نے آپ کیلئے نہیں رکھا یا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے یہ سزاوار اور مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ کام میری عزت و جلال اور میری عظمت و کبریائی اور شان "فعال لما یرید" کے لئے ہی سزاوار ہے، اسلئے اس کو میں خود ہی کروں گا۔ اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لاکر احکام کی تعمیل بالکل نہیں کی ایسوں کو دوزخ سے نکالنا پیغمبر کے لئے مناسب نہیں ہے، اس درجہ کا عفو و درگزر اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ واللہ اعلم۔

۲) معلوم ہوتا ہے اس روایت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں آدمؑ کے بعد اور ابراہیمؑ سے پہلے اہل محشر کے نوح علیہ السلام کی خدمت میں بھی حاضر ہونے کا ذکر ہے جو اس میں نہیں ہے۔ نیز اس میں صرف اپنی امت کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا ذکر ہے حالانکہ قرین قیاس یہ ہے کہ پہلے آپ عام اہل محشر کیلئے حساب اور فیصلہ کی شفاعت فرمائیں گے جس کو [illegible] کہتے ہیں، پھر جب حساب کے نتیجہ میں بہت سے آپ کے امتی اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کی طرف بھیج دیئے جائیں گے، تو آپ ان کو دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرانے کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔ واللہ اعلم۔

۳) اہل محشر کے جو نمائندے کسی شفیع کی تلاش میں نکلیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے دل میں یہی ڈالے گا، کہ وہ پہلے آدم علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر ان کی رہنمائی اور مشورہ سے نوح علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر اسی طرح ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) کی خدمت میں حاضر ہوں یہ سب منجانب اللہ اس دن اسلئے ہوگا کہ عملی طور پر سب کو معلوم ہو جائے کہ اس شفاعت کا منصب اور [illegible] اسکے آخری نبی کے لئے مخصوص ہے۔

بہر حال اس دن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور رفعت مقام کے برسر محشر اظہار کے لئے ہوگا۔

(۱۱) **عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِي يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ۔** (رواہ البخاری)

ترجمہ: عمران بن حصین سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک گروہ میری امت میں سے میری شفاعت سے دوزخ سے نکالا جائے گا، جن کو [illegible] کے نام سے یاد کیا جائے گا۔

تشریح: ان کی توہین و تنقیص نہ ہوگی، بلکہ جہنم سے نکالے جانے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ جائے گا، جو ان کے لئے خوشی کا باعث ہوگا، کیونکہ یہ اللہ کے کرم کو یاد دلائے گا۔

(۱۱۱) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَتَانِیْ آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّیْ فَخَیَّرَنِیْ بَیْنَ اَنْ یُدْخِلَ نِصْفَ اُمَّتِی الْجَنَّةَ وَبَیْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِیَ لِمَنْ مَاتَ لَا یُشْرِكُ بِاللهِ شَیْئًا.

حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا پیغام لے کر آیا اس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ میں ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کر لوں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ میری نصف امت کو جنت میں داخل فرمادیں یا یہ کہ مجھے شفاعت کا موقع ملے، تو میں نے حق شفاعت کو اختیار کر لیا اور میری شفاعت ان لوگوں کے لئے ہو گی جو (ایمان اور توحید کی میری دعوت کو قبول کر کے) اس حال میں مرے، کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔

(۱۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ اَوْ نَفْسِهٖ۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے بہرہ مند وہی ہوں گے جنہوں نے خلوص قلب سے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو۔

تشریح۔۔۔ اس حدیث کا بھی مطلب وہی ہے جو اوپر والی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمایا گیا، یعنی جو شرک کی بیماری میں مبتلا ہوگا اس کو شفاعت سے فائدہ نہ ہوگا، ہاں اگر شرک سے پاک ہو گیا ہے، اور دوسرے قسم کے گناہ ہیں، تو اس کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے فائدہ ہوگا۔

(۱۱۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے حق میں ہو گی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔ (ترمذی وابوداؤد) اس حدیث کو ابن ماجہ نے بجائے حضرت انس کے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔

تشریح۔۔۔ اس قسم کی حدیثوں سے نڈر اور بے خوف ہو کر گناہوں پر اور زیادہ جری ہو جانا بڑا کمینہ پن ہے، حضور ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے شامت نفس سے گناہ ہو جائیں، وہ بھی مایوس اور ناامید نہ ہوں، میں ان کی شفاعت کروں گا اسلئے وہ شفاعت کا استحقاق پیدا کرنے کیلئے اللہ کے ساتھ اپنے بندگی کے تعلق کو، اور میرے امتی ہونے کے تعلق کو درست کرنے کی فکر کریں۔

(۱۱۴) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَلَا قَوْلَ اللهِ تَعَالٰی فِیْ اِبْرَاهِیْمَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَقَالَ عِیْسٰی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ فَرَفَعَ یَدَیْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ وَبَكٰی فَقَالَ اللهُ تَعَالٰی یَا جِبْرَئِیْلُ اذْهَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ ۔ وَرَبُّكَ

اَعْلَمُ . فَسَأَلَهُ مَا يُبْكِيهِ فَأَتَاهُ جِبْرَئِيلُ فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللّٰهُ لِجِبْرَئِيلَ اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوءُكَ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک میں حضرت ابراہیم کے متعلق یہ آیت تلاوت فرمائی

"رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ"

(میرے پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، یعنی ان کی وجہ سے بہت سے آدمی گمراہ ہوئے، پس جو لوگ میری پیروی کریں وہی میرے ہیں، پس ان کے لئے تو میں تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ ان کو تو بخش ہی دے) اور عیسیٰ کا یہ قول بھی تلاوت فرمایا، جو قرآن پاک میں ہے:

"اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ".

(اے اللہ اگر میری امت کے ان لوگوں کو عذاب دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں، یعنی آپ کو عذاب و سزا کا پورا حق ہے) یہ دونوں آیتیں تلاوت فرما کر رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو یاد کیا، اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور کہا کہ میرے اللہ! میری امت، میری امت اور آپ اس دعا میں روئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو فرمایا، تم محمد کے پاس جاؤ۔ اور اگرچہ تمہارا رب سب کچھ خوب جانتا ہے مگر پھر بھی تم جا کر ہماری طرف سے پوچھو، کہ ان کے اس رونے کا کیا سبب ہے۔ پس جبرئیل آپ کے پاس آئے، اور آپ سے پوچھا، آپ نے جبرئیل کو وہ بتلایا جو اللہ سے عرض کیا تھا (یعنی یہ کہ اس وقت میرے رونے کا سبب امت کی فکر ہے، جبرئیل نے جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا) تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو فرمایا کہ محمد کے پاس جاؤ، اور ان کو ہماری طرف سے کہو، کہ تمہاری امت کے بارہ میں ہم تمہیں راضی اور خوش کر دیں گے اور تمہیں رنجیدہ اور غمگین نہیں کریں گے۔

حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی دو آیتوں کی تلاوت فرمائی، ایک سورۃ ابراہیم کی آیت، جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم اور اپنی امت کے بارے میں عرض کیا کہ "فمن تبعني فانه مني ومن عصاني فانك غفور رحيم" (یعنی ان میں سے جن لوگوں نے میری بات مانی وہ تو میرے ہیں (اور میں ان کے لئے آپ سے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں) اور جنہوں نے میری نافرمانی کی، تو آپ غفور رحیم ہیں، چاہیں تو ان کو بھی بخش سکتے ہیں)۔ اور دوسری آیت سورۂ مائدہ کی، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ذکر ہے، کہ وہ اپنے گمراہ امتیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ "ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم" (اگر آپ ان کو عذاب دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں، اور آپ کو عذاب دینے کا پورا حق ہے، اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ غالب ہیں (سب کچھ کر سکتے ہیں) اور حکیم ہیں (جو کچھ کریں گے حکمت کے مطابق ہی ہوگا)۔ ان دونوں آیتوں میں اللہ کے دونوں جلیل القدر

صالحین کو بھی اذنِ شفاعت ملے گا جو ان تینوں میں سے کسی گروہ میں بھی نہیں ہوں گے، بلکہ جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے چھوٹے بچے بھی اپنے ماں باپ کی سفارش کریں گے، اور اعمالِ صالحہ کی بھی شفاعت ہوگی۔

(۱۱۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَشْفَعُ لِلْفِئَامِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْقَبِيلَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلْعُصْبَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتَّى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں بعض افراد وہ ہوں گے، جو جماعتوں اور قوموں کی شفاعت کریں گے (یعنی ان کا مقام یہ ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ ان کو قوموں کی شفاعت کی اجازت دے گا، اور قوموں کے حق میں انکی سفارش قبول فرمائے گا) اور بعض وہ ہوں گے جو عصبہ (یعنی دس سے چالیس تک کی تعداد والی کسی پارٹی) کے بارے میں شفاعت کریں گے، اور بعض وہ ہوں گے جو ایک آدمی کی سفارش کر سکیں گے (اور اللہ تعالیٰ ان سب کی شفاعتیں قبول فرمائے گا) یہاں تک کہ سب جنت میں پہنچ جائیں گے۔ (ترمذی)

(۱۱۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَفُّ أَهْلُ النَّارِ فَيَمُرُّ بِهِمُ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُولُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ أَمَا تَعْرِفُنِي أَنَا الَّذِي سَقَيْتُكَ شَرْبَةً وَقَالَ بَعْضُهُمْ أَنَا الَّذِي وَهَبْتُ لَكَ وَضُوءًا فَيَشْفَعُ لَهُ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ آخرت میں صف بستہ کھڑے کئے جائیں گے اہلِ دوزخ (یعنی اہلِ ایمان میں سے کچھ گنہگار لوگ جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں سزا پانے کے مستحق ہوں گے، وہ آخرت میں کسی موقع پر صف باندھے کھڑے ہوں گے) پس ایک شخص اہلِ جنت میں سے ان کے پاس سے گذرے گا، تو صف والوں میں سے ایک شخص ان گذرنے والے جنتی کو پکار کر کہے گا اے فلاں! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ ہوں، کہ ایک دفعہ میں نے تم کو پانی پلایا تھا (یا شربت وغیرہ پینے کی کوئی اچھی چیز پلائی تھی) اور اسی صف والوں میں سے کوئی اور کہے گا، کہ میں نے تمہیں وضو کیلئے پانی دیا تھا، پس یہ شخص ان لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کریگا اور انکو جنت میں داخل کرادیگا۔ (ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں صالحین سے محبت اور قربت کا تعلق اپنی عملی کوتاہیوں کے باوجود بھی انشاء اللہ بہت کچھ کام آنے والا ہے، بشرطیکہ ایمان نصیب ہو، افسوس ان چیزوں میں جس طرح بہت سے جاہل عوام سخت غلو اور افراط میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئے ہیں، اسی طرح ہمارے زمانے کے بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے سخت تفریط میں مبتلا ہیں۔

جنت اور اس کی نعمتیں

عالمِ آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مومن کے لئے ضروری ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن و مسلم نہیں ہو سکتا ان ہی میں سے جنت و دوزخ بھی ہیں، اور یہی دونوں مقام انسانوں کا

آخری اور پھر ابدی ٹھکانا ہیں، قرآن مجید میں بھی جنت اور اس کی نعمتوں کا اور دوزخ اور اس کی تکلیفوں کا ذکر اتنی کثرت سے کیا گیا ہے اور ان دونوں کے متعلق اتنا کچھ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر اس سلسلے کی سب آیتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو صرف انہی سے اچھی خاصی ایک کتاب تیار ہو جائے۔

اسی طرح کتب حدیث میں بھی جنت و دوزخ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی صد ہا حدیثیں محفوظ ہیں جن سے ان دونوں کے متعلق کافی معلومات مل جاتی ہیں، پھر بھی یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ قرآن مجید میں اور اسی طرح احادیث میں جنت و دوزخ کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کی پوری اور اصلی حقیقت کا علم وہاں پہنچ کر، اور مشاہدہ کے بعد ہی حاصل ہو سکے گا، جنت تو جنت ہے، اگر کوئی شخص ہماری اس دنیا ہی کے کسی بارونق شہر کے بازاروں کا اور وہاں کے باغوں اور مرغزاروں کا ذکر ہمارے سامنے کرے، تو اسکے بیان سے جو تصور ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے، ہمیشہ کا تجربہ ہے کہ وہ اصل کے مقابلہ میں ہمیشہ بہت ناقص ہوتا ہے، بہر حال اس نفس الامری حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن و حدیث میں جنت یا دوزخ کے بیان کو پڑھنا چاہئے۔

دراصل آیات یا احادیث میں جنت اور دوزخ کا جو ذکر فرمایا گیا ہے، اس کا یہ مقصد ہی نہیں ہے، کہ لوگوں کے سامنے وہاں کا مکمل جغرافیہ اور وہاں کے احوال کا پورا نقشہ آجائے بلکہ اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں میں دوزخ اور اسکے عذاب کا خوف پیدا ہو، اور وہ ان برائیوں سے بچیں جو دوزخ میں لے جانے والی ہیں، اور جنت اور اس کی بہاروں اور لذتوں کا شوق ابھرے، تاکہ وہ اچھے اعمال اختیار کریں، جو جنت میں پہنچانے والے ہیں، اور وہاں کی نعمتوں کا مستحق بنانے والے ہیں، پس اس سلسلہ کی آیات اور احادیث کا اصلی حق یہی ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے شوق اور خوف کی یہ کیفیتیں پیدا ہوں۔

(۱۱۸) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ یا خیال ہی گذرا ہے، اور اگر تم چاہو تو پڑھو قرآن کی یہ آیت "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ" (جس کا مطلب یہ ہے، کہ کوئی آدمی بھی ان نعمتوں کو نہیں جانتا جو ان بندوں کے لئے (جو راہ خدا میں اپنا محبوب مال خرچ کرنے والے ہیں، اور راتوں کو عبادت خداوندی میں مصروف رہنے والے ہیں) چھپا کے اور محفوظ کر کے رکھی گئی ہیں جن میں ان کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کا سامان ہے۔ (السجدہ ۱۷)

تشریح ..... یہ حدیث قدسی ہے، رسول اللہ ﷺ جب کوئی بات اس تصریح کے ساتھ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے (اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو) تو ایسی حدیث کو "حدیث قدسی" کہتے ہیں، یہ حدیث شریف بھی اسی قسم کی ہے، اس میں اللہ کے بندوں کے لئے بشارت اور خوشی کا ایک عام اور ظاہر پہلو تو یہ ہے کہ وہاں

آخرت میں ان کو ایسی اعلیٰ قسم کی نعمتیں ملیں گی جو دنیا میں کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوئیں، بلکہ کسی آنکھ نے بھی انکو نہیں دیکھا، اور نہ کسی کان نے ان کا حال سنا اور نہ کبھی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال ہی آیا، اور بشارت و مسرت کا دوسرا خاص پہلو، محبت و شفقت اور عنایت و کرم سے بھرے ہوئے رب کریم کے ان الفاظ میں ہے کہ " أعددت لعبادي " (میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر کے رکھی ہیں، الخ) قربان ہوں بندے اپنے رب کریم کے اس کرم پر۔

۱۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا. (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ " جنت میں ایک کوڑے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: عرب کا یہ رواج تھا کہ جب چند سواروں کا قافلہ چلتا، تو جو سوار منزل پر اترتے وقت جہاں قیام کرنا چاہتا، وہاں اپنا کوڑا ڈال دیتا، پھر وہ جگہ اسی کی سمجھی جاتی، اور کوئی دوسرا اس پر قبضہ نہ کرتا، تو اس حدیث میں کوڑے کی جگہ سے مراد، در اصل اتنی مختصر سی جگہ ہے، جو کوڑا ڈال دینے سے کوڑا والے سوار کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے، جس میں وہ اپنا بستر لگا لے یا خیمہ ڈال لے، تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جنت کی تھوڑی سے تھوڑی جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر اور زیادہ قیمتی ہے، اور اس میں کیا شبہ ہے، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے فانی ہے اور جنت اور اسکی ہر نعمت باقی ہے، اور فانی اور باقی کا کیا تقابل۔

۱۲۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيحًا وَلَنَصِيفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا. (رواه البخاري)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، راہ خدا میں ایک دفعہ صبح کا نکلنا یا شام کا نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور اگر اہل جنت کی بیویوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان (یعنی جنت سے لے کر زمین تک) روشنی ہی روشنی ہو جائے، اور مہک اور خوشبو سے بھر جائے، اور اسکے سر کی صرف اوڑھنی بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری)

تشریح: حدیث کے ابتدائی حصے میں راہ خدا میں نکلنے کی یعنی خدمت دین کے کسی سلسلہ میں سفر کرنے اور چلنے پھرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ صبح کا یا شام کا نکلنا بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور یہاں صبح شام کا ذکر غالباً صرف اسلئے کر دیا گیا ہے کہ صبح یا شام ہی کو سفر پر روانہ ہونے کا دستور تھا، ورنہ اگر کوئی شخص مثلاً دن کے درمیانی حصے میں خدمت دین کے کسی سلسلے میں جائے، تو یقیناً اسکے اس جانے کی بھی وہی فضیلت ہے پھر حدیث کے دوسرے حصے میں اہل جنت کی جنتی بیویوں کے غیر معمولی حسن و جمال اور ان کے لباس کی قدر و قیمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس موقع پر اس کے ذکر کرنے کا مقصد غالباً اہل ایمان کو خدمت دین کے

جہاد کے کاموں کے لئے گھر چھوڑ کر نکلنے کی ترغیب دی اور یہ بتلایا ہے کہ اگر تم اپنے گھروں اور گھر والیوں کو عارضی طور پر چھوڑ کر تھوڑے سے وقت کے لئے بھی راہ خدا میں نکلو گے تو جنت میں ایسی بیویاں ہمیشہ ہمیشہ تمہاری رفیق اور زندگی کی شریک رہیں گی، جن کے حسن و جمال کا یہ عالم ہے کہ اگر ان میں سے کوئی اس زمین کی طرف ذرا جھانکے تو زمین اور آسمان کے درمیان کی ساری فضا روشن اور معطر ہو جائے، اور جن کا لباس اس قدر قیمتی ہے کہ صرف سر کی اوڑھنی اس دنیا و مافیہا سے بہتر اور بیش قیمت ہے۔

۱۲۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْ تَغْرُبُ.
(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اس کے سایہ میں سو سال چلے اور پھر بھی اس کو پار نہ کر سکے، اور جنت میں تم میں سے کسی کی کمان کے بقدر جگہ بھی اس ساری کائنات سے بہتر ہے، جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے۔

تشریح — حدیث کا مقصد دنیا اور اس کی راحتوں اور لذتوں کے مقابلے میں جنت اور اس کی نعمتوں کی بالاتری بیان فرما کے اس کا شوق دلوں میں پیدا کرنا ہے، اس سلسلہ میں پہلی بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اور راحت کے جو سامان اپنے بندوں کے لئے جنت میں پیدا کئے ہیں، ان میں سے ایک جنت کے وہ طویل و عریض سایہ دار درخت ہیں جن کا سایہ اتنے وسیع رقبہ پر پڑتا ہے کہ سوار سو سال میں بھی اس کو طے نہیں کر سکتا، اور دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جنت میں ایک کمان کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، ابھی اوپر عرب کے اس دستور کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ کوئی سوار جب کہیں اترنا چاہتا تھا تو اس جگہ اپنا کوڑا ڈال دیتا تھا اس سے اس جگہ پر اس کا حق قائم ہو جاتا تھا، اسی طرح کا ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی پیدل آدمی کسی جگہ منزل کرنا چاہتا تھا، تو وہ اپنی کمان وہاں ڈال دیتا تھا، اور اس طرح وہ جگہ اس کے لئے مخصوص ہو جاتی تھی، پس اس حدیث میں کمان کی جگہ سے مراد گویا ایک آدمی کی منزل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ایک پیادہ مسافر کمان ڈال کے جتنی جگہ کا مستحق ہو جاتا ہے، جنت کی اتنی مختصر سی جگہ بھی اس دنیا کی اس ساری کائنات سے زیادہ قیمتی اور بہتر ہے، جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

۱۲۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ يَأْكُلُونَ فِيهَا وَيَشْرَبُونَ وَلَا يَتْفُلُونَ وَلَا يَبُولُونَ وَلَا يَتَغَوَّطُونَ وَلَا يَمْتَخِطُونَ قَالُوا فَمَا بَالُ الطَّعَامِ قَالَ جُشَاءٌ وَرَشْحٌ كَرَشْحِ الْمِسْكِ يُلْهَمُونَ التَّسْبِيحَ وَالتَّحْمِيدَ كَمَا تُلْهَمُونَ النَّفَسَ. (رواہ مسلم)

جابرؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ "اہل جنت جنت میں کھائیں گے بھی اور پئیں گے بھی، لیکن نہ تو انہیں تھوک آئے گا، اور نہ پیشاب پاخانہ ہوگا، اور نہ ان کی ناک سے رینٹھ آئے گی۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا، تو کھانے کا کیا ہوگا؟" (یعنی جب پیشاب پاخانہ کچھ بھی نہ ہوگا تو جو کچھ کھایا جائے گا وہ آخر کہاں جائے گا؟) آپ نے فرمایا کہ ڈکار اور پسینہ مشک کے پسینہ کی طرح (یعنی

غذا کا جو اثر (فضلہ) ہوگا، وہ انہی دو طریقوں سے نکل جایا کرے گا) اور ان اہل جنت کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ کی حمد و تسبیح اس طرح جاری ہوگی، جس طرح تمہارا سانس جاری رہتا ہے۔"

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ جنت کی ہر غذا کثیف مادہ سے پاک ایسی لطیف اور نورانی ہوگی، کہ پیٹ میں اس کا کوئی فضلہ تیار نہیں ہوگا، بس ایک خوشگوار ڈکار کے آنے سے معدہ خالی اور ہلکا ہو جایا کرے گا، اور کچھ پسینے کے راستے نکلا جایا کرے گا، لیکن اس پسینہ میں بھی مشک کی سی خوشبو ہوگی، اور اس دنیا میں جس طرح آپ سے آپ ہمارے اندر سے باہر اور باہر سے اندر سانس کی آمد و رفت ہے، جنت میں اسی طرح اللہ کا ذکر جاری ہوگا، اور سبحان اللہ والحمد للہ یا سبحان اللہ وبحمدہ سانس کی طرح ہر دم جاری رہے گا۔

۱۲۳) **عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ يُنَادِي مُنَادٍ إِنَّ لَكُمْ أَنْ تَصِحُّوا فَلَا تَسْقَمُوا أَبَدًا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَحْيَوْا فَلَا تَمُوتُوا أَبَدًا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشِبُّوا فَلَا تَهْرَمُوا أَبَدًا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا فَلَا تَبْأَسُوا أَبَدًا.** (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت ابو سعیدؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، یہ دونوں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا جنت میں جنتیوں کو مخاطب کر کے پکارے گا، کہ یہاں صحت ہی تمہارا حق ہے، اور تندرستی ہی تمہارے لئے مقدر ہے، اسلئے اب تم کبھی بیمار نہ پڑو گے، اور یہاں تمہارے لئے زندگی اور حیات ہی ہے، اسلئے اب تمہیں موت کبھی نہ آئے گی، اور تمہارے واسطے جوانی اور شباب ہی ہے، اسلئے اب کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا، اور تمہارے واسطے یہاں چین اور عیش ہی ہے، اسلئے اب کبھی تمہیں کوئی تنگی اور تکلیف نہ ہوگی۔

تشریح ..... جنت صرف آرام اور راحت کا گھر ہے، اسلئے وہاں کسی تکلیف کا، کسی تکلیف دہ حالت کا گذر نہ ہوگا، نہ وہاں بیماری ہوگی، نہ موت آئے گی، نہ بڑھاپا کسی کو ستائے گا، نہ کسی اور قسم کی کوئی تنگی اور پریشانی کسی کو لاحق ہوگی، اور جنتی بندے جب جنت میں پہنچیں گے تو شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابدی حیات اور ابدی راحت کی یہ بشارت سنا کر ان کو مطمئن کر دیا جائے گا۔

۱۲۴) **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مِمَّا خُلِقَ الْخَلْقُ؟ قَالَ مِنَ الْمَاءِ قُلْنَا الْجَنَّةُ مَا بِنَاؤُهَا قَالَ لَبِنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ وَلَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ وَحَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوتُ وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ يَدْخُلُهَا يَنْعَمُ وَلَا يَبْأَسُ وَيَخْلُدُ وَلَا يَمُوتُ وَلَا يَبْلَى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَفْنَى شَبَابُهُمْ.** (رواه احمد والترمذی والدارمی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، کہ مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی؟ آپ نے فرمایا پانی سے، پھر ہم نے عرض کیا، کہ جنت کس چیز سے بنی (یعنی اس کی تعمیر پتھروں سے ہوئی یا اینٹوں سے یا کس چیز سے؟) آپ نے فرمایا اس کی تعمیر اس طرح ہے، کہ ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی، اور اس کا مسالہ (جس سے اینٹوں کو جوڑا گیا ہے) تیز خوشبو دار

مشک ہے، اور وہاں کے سنگریزے جو بچھے ہوئے ہیں وہ موتی اور یاقوت ہیں، اور وہاں کی خاک گویا زعفران ہے، جو لوگ اس جنت میں پہنچیں گے، ہمیشہ عیش اور چین سے رہیں گے، اور کوئی تنگی، تکلیف ان کو نہ ہو گی، اور ہمیشہ زندہ رہیں گے، وہاں ان کو موت نہیں آئے گی، اور کبھی ان کے کپڑے پرانے اور خستہ نہ ہوں گے، اور ان کی جوانی کبھی زائل نہ ہو گی۔

تشریح ..... حضرت ابو ہریرہؓ کے پہلے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ہر مخلوق پانی سے پیدا کی گئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی پیدا کیا اور پھر اس سے اور مخلوق وجود میں آئی۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے "وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ" اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" جس کا حاصل یہی ہے کہ ہر جاندار پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر دوسرے سوال کے جواب میں جنت کی تعمیر اور وہاں کے فرش، اور وہاں کی خاک کے متعلق جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، اس کی اصلی حقیقت اور کیفیت مشاہدے ہی سے معلوم ہو گی، البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ جنت کی تعمیر اس طرح نہیں ہوئی ہے کہ کسی معمار نے اسے بنایا ہو، جس طرح ہماری اس دنیا میں عمارتیں بنتی ہیں، بلکہ جنت اور اس کی ہر چیز معماروں اور مزدوروں کے توسط کے بغیر اللہ کے حکم سے بنی ہے، جس طرح زمین و آسمان اور آسمان کے ستارے، آفتاب و ماہتاب وغیرہ سب براہ راست اللہ کے حکم سے بنے ہیں۔

"اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝"

اہل جنت سے اللہ تعالیٰ کی دائمی رضا

۱۲۵) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُوْنَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِىْ يَدَيْكَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَضِيْتُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰى يَا رَبِّ وَقَدْ اَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ اَلَا اُعْطِيْكُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ يَا رَبِّ وَاَىُّ شَىْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِىْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ ..... حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ (جنتی جب جنت میں پہنچ جائیں گے اور وہاں کی نعمتیں ان کو عطا ہو جائیں گی تو) اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کر کے فرمائیں گے، کہ اے اہل جنت! وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں، آپ کی بارگاہ قدس میں، اور ساری خیر اور سب بھلائی آپ ہی کے قبضے میں ہے (جس کو چاہیں عطا فرمائیں یا عطا نہ فرمائیں) پھر اللہ تعالیٰ ان بندوں سے فرمائیں گے، تم خوش ہو؟ (یعنی جنت اور جو نعمتیں جنت میں تم کو دی گئیں، تم ان سے راضی ہو؟) یہ جنتی بندے عرض کریں گے، اے پروردگار! جب آپ نے ہمیں یہاں وہ کچھ نصیب فرمایا جو اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا تھا (یعنی آپ کی بخشش اور آپ کے کرم سے جب یہاں ہمیں وہ نعمتیں اور وہ راحتیں اور لذتیں نصیب ہیں، جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے کو بھی نصیب نہیں تھیں) تو ہم کیوں راضی اور خوش نہ ہوں گے۔

اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کیا میں تمہیں اس سب سے اعلیٰ و افضل ایک چیز اور دوں؟ وہ بندے عرض کریں گے کہ خداوندا وہ کیا چیز ہے، جو اس جنت اور اس کی ان نعمتوں سے بھی افضل ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، میں تم کو اب اپنی دائمی اور ابدی رضا مندی، اور خوشنودی کا تحفہ دیتا ہوں، اسکے بعد اب میں کبھی تم پر ناراض نہ ہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح جنت اور اس کی ساری نعمتیں عطا فرمانے کے بعد اس رب کریم کا اپنے بندوں سے پوچھنا کہ "تم راضی ہو، خوش اور مطمئن ہو؟" بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے اور پھر دائمی رضا کا تحفہ، اور کبھی ناراض نہ ہونے کا اعلان، کتنا بڑا انعام اور احسان ہے، اس سے جو لذت اور مسرت اہل جنت کو اس وقت حاصل ہو گی، اگر اس کا ایک ذرہ اس دنیا میں ہم پر منکشف کر دیا جائے، تو دنیا کی کسی لذت اور مسرت کی چاہت ہمارے دلوں میں نہ رہے، بیشک اللہ کی رضا، جنت اور اسکی ساری نعمتوں سے بہت ہی اعلیٰ و بالا ہے، "وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ" اور لذت و مسرت میں اعلان رضا سے بڑھ کر صرف [illegible]۔

جنت میں دیدار الٰہی

حق تعالیٰ کا دیدار وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے اہل جنت کو نوازا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے جن کو عقل صحیح اور ذوق سلیم عطا کیا ہے، وہ اگر خود اپنے وجدان میں غور کریں، تو اس نعمت کی خواہش اور تمنا وہ ضرور اپنے میں پائیں گے، اور کیوں نہ ہو جو بندہ اپنے خالق اور رب کی بے شمار نعمتیں اس دنیا میں پا رہا ہے، اور پھر جنت میں پہنچ کر اس سے لاکھوں گنی نعمتیں پائے گا، لازما اسکے دل میں یہ تمنا اور تڑپ پیدا ہو گی کہ کسی طرح میں اپنے اس محسن اور کریم رب کو دیکھ پاتا، جس نے مجھے وجود بخشا اور جو اس طرح مجھ پر اپنی نعمتیں انڈیل رہا ہے۔ پس اگر اسے کبھی بھی یہ نظارہ نصیب نہ ہو، تو یقینا اس کی لذت و مسرت اور اسکے عیش میں بڑی تشنگی رہے گی، اور اللہ تعالیٰ جس بندے سے راضی ہو کر اس کو جنت میں پہنچائیں گے اس کو ہرگز تشنہ اور محروم نہیں رکھیں گے۔

اہل ایمان کے لئے قرآن مجید میں بھی اس نعمت عظمیٰ کی بشارت سنائی گئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ارشادات میں صاف صاف اس کی خوش خبری دی ہے، اور تمام اہل ایمان نے بغیر کسی تردد کے اس پر یقین کیا ہے، لیکن بعض ایسے طبقے، اور ایسے لوگ جو آخرت کی چیزوں کو بھی اس دنیا کے اندازے سے سوچتے ہیں، اور یہاں کے اپنے محدود علم و تجربے کو، علم و تجربے کا آخری اور انتہائی درجہ سمجھتے ہیں، انہیں اس مسئلہ میں شبہات پیش آتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ دیکھا تو اس چیز کو جا سکتا ہے جو جسم ہو، اور اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ اس کا کوئی رنگ ہے، اور نہ اس کے لئے آگے یا پیچھے کی کوئی جہت ہے، تو پھر اسکو دیکھا کیونکر جا سکتا ہے! لہٰذا تک یہ سراسر مغالطہ ہے، اگر اہل حق کا عقیدہ یہ ہوتا، کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا کی انہی آنکھوں سے ہو گا، جو صرف جسم ہی، اور کسی رنگ دار چیز ہی کو دیکھ سکتی ہیں، اور جن کی بینائی صرف اس چیز کا ادراک کر سکتی ہے، جو انکی سیدھ میں، یعنی سامنے ہو، تو بیشک ان منکرین کا یہ سوچنا کسی درجہ میں صحیح ہوتا، لیکن نہ

قرآن و حدیث نے یہ بتلایا ہے اور اہل حق کا یہ عقیدہ ہے۔

اہل حق، اہل السنۃ والجماعۃ جو قرآن و حدیث کے اتباع میں اسکے قائل ہیں، کہ جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار ان بندوں کو نصیب ہوگا جو اس نعمت عظمیٰ کے مستحق ہوں گے، وہ اسکے بھی قائل ہیں، کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو جنت کی ایسی قوتیں عطا فرمائیں گے، جو اس دنیا میں کسی کو عطا نہیں ہوئیں، اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسی آنکھیں عطا ہوں گی، جن کی بینائی کی قوت اتنی محدود اور کمزور نہ ہوگی، جتنی کہ اس دنیا میں ہماری آنکھوں کی ہے، اور ان ہی آنکھوں سے اہل جنت کو اپنے اس رب قدوس کا دیدار نصیب ہوگا، جو نہ جسم ہے، نہ اسکا کوئی رنگ ہے، اور نہ اس کے لئے کوئی جہت ہے، بلکہ وہ ان سب چیزوں سے وراء الوراء ہے، وہ نور ہے، سراسر نور ہے اور سارے انوار کا سرچشمہ ہے۔

اس توضیح کے بعد بھی رؤیت باری کے مسئلہ میں جن لوگوں کو عقلی استحالہ کا وسوسہ ہو، انہیں ذرا اس پر غور کرنا چاہئے، کہ اپنی مخلوقات کو اللہ تعالیٰ بھی دیکھتا ہے یا نہیں؟ اگر دیکھنا صرف ان ہی ذرائع سے اور ان ہی شرائط کے ساتھ ہو سکتا ہے جن سے ہم دیکھتے ہیں، تو پھر تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی کو نہ دیکھ سکتا ہو، کیونکہ نہ اس کی آنکھ ہے، اور نہ کوئی مخلوق اس کی نسبت سے کسی جہت میں ہے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے بغیر دیکھتا ہے، اور ہماری آنکھیں جن چیزوں کو کسی طرح اور کسی حال نہیں دیکھ سکتیں، وہ ان کو بھی دیکھتا ہے اور بغیر مقابلہ اور جہت کے دیکھتا ہے، انہیں رؤیت باری کے مسئلہ میں بھی اس قسم کا کوئی وسوسہ نہ ہونا چاہئے، اور اللہ و رسول کی اطلاعات اور بشارات پر یقین کرتے ہوئے سمجھ لینا چاہئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور رحمت سے ایسی آنکھیں نصیب فرمائیں گے، جو حق تعالیٰ شانہ کے جمال کے نظارہ کی لذت بھی حاصل کر سکیں گی۔

قرآن پاک میں اہل ایمان کو بشارت سنائی گئی ہے، کہ "وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ" (مطلب یہ ہے کہ اہل جنت کے چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے، وہ خوش و خرم اور شاد ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے)۔ اور اسکے بالمقابل دوسرے موقع پر مکذبین اور منکرین کے بارے میں فرمایا گیا ہے "كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ" (یعنی یہ بدنصیب لوگ اس دن اپنے رب سے روک دیئے جائیں گے، اس کی رؤیت اور اس کی دید سے محروم رکھے جائیں گے)۔

جنت میں حق تعالیٰ کی رؤیت سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں، وہ سب مل کر حد تواتر کو پہنچ جاتی ہیں، اور ایک مومن کے یقین کے لئے بالکل کافی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے صرف چند حدیثیں درج کی جاتی ہیں:

۱۳۶) عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُوْلُ اللهُ تَعَالَى أَتُرِيْدُوْنَ شَيْئًا أَزِيْدُكُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ، قَالَ فَيُرْفَعُ الْحِجَابُ فَيَنْظُرُوْنَ إِلَى وَجْهِ اللهِ فَمَا أُعْطُوْا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا "لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ"۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت صہیب رومیؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے، کیا تم چاہتے ہو میں تم کو ایک چیز مزید عطا کروں؟ (یعنی تم کو جو کچھ اب تک عطا ہوا اس پر مزید اور اس سے سوا ایک خاص چیز اور عنایت کروں)۔ وہ بندے عرض کریں گے، آپ نے ہمارے چہرے روشن کئے (یعنی سرخروئی اور نورانی عطا فرمائی) اور دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کیا (اب اس کے آگے اور کیا چیز ہو سکتی ہے جس کی ہم خواہش کریں)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان بندوں کے اس جواب کے بعد یکایک حجاب اٹھ جائے گا (یعنی ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا جائے گا) پس وہ روئے حق اور جمال الٰہی کو بے پردہ دیکھیں گے، پس ان کا حال یہ ہوگا (اور وہ محسوس کریں گے) کہ جو کچھ اب تک انہیں ملا تھا اس سب سے زیادہ محبوب اور پیاری چیز ان کے لئے یہی دیدار کی نعمت ہے، یہ بیان فرما کے آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی "لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ" (جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھی بندگی والی زندگی گزاری، ان کے لئے اچھی جگہ ہے (یعنی جنت ومافیہا) اور اس پر مزید ایک نعمت (یعنی دیدار حق)۔ (رواہ مسلم)

تشریح: آنکھوں سے پردہ اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دفعۃً ان کی آنکھوں کو بینائی کی ایسی طاقت عطا فرما دے گا، کہ وہ روئے حق کا نظارہ کر سکیں گی۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ نے آخر میں جو آیت تلاوت فرمائی اس کے ذریعہ یہ بتلایا ہے کہ اس آیت میں "زِيَادَةٌ" سے مراد حق تعالیٰ کے دیدار کی نعمت ہے، جو جنت اور نعمائے جنت کے علاوہ اور ان سے سوا ہے۔

۱۲۷) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا، ثُمَّ قَرَأَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا. (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ (ایک رات کو) ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے چاند کی طرف دیکھا اور یہ چودھویں رات تھی (اور چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ، اور بھرپور نکلا ہوا تھا) پھر آپ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "یقیناً تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے، جیسے کہ اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تمہیں اسکے دیکھنے میں کوئی کشمکش نہیں کرنی پڑے گی، اور کوئی زحمت نہ ہوگی، پس اگر تم یہ کر سکو کہ طلوع آفتاب سے پہلی نماز، اور غروب آفتاب سے پہلی والی نماز کے مقابلے میں کوئی چیز بھی تم پر غالب نہ آئے (یعنی کوئی مشغلہ اور کوئی دلچسپی اور آرام طلبی ان نمازوں کے وقت میں تمہیں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے) تو لازماً ایسا کرو، (پھر ان شاء اللہ دیدار حق اور نظارۂ جمال الٰہی کی نعمت ضرور تم کو نصیب ہوگی)، اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا"۔ (اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیح کرو (یعنی اس کی تعریف بیان کرنے کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرو) سورج کے

نکلنے سے پہلے، اور اسکے ڈوبنے سے پہلے۔) (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح — دنیا میں جب کسی حسین و جمیل چیز کے دیکھنے والے لاکھوں کروڑوں جمع ہو جائیں اور سب اسکے دیکھنے کے انتہائی درجہ میں مشتاق ہوں، تو ایسے موقعوں پر عموماً بڑی کشمکش اور بڑی زحمت ہوتی ہے، اور اس چیز کو اچھی طرح دیکھنا بھی مشکل ہوتا ہے، لیکن چاند کا معاملہ یہ ہے کہ اس کو مشرق و مغرب کے آدمی بغیر کسی کشمکش اور زحمت کے، اور پورے اطمینان سے بیک وقت دیکھ سکتے ہیں، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی مثال سے سمجھایا، کہ جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار اسی طرح بیک وقت اسکے بے شمار خوش نصیب بندوں کو نصیب ہوگا، اور کسی کو کشمکش اور زحمت سے سابقہ نہیں پڑے گا، سب کی آنکھیں بڑے سکون و اطمینان سے وہاں جمالِ حق کے نظارہ کی لذت حاصل کریں گی۔ اللهم اجعلنا منهم

آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے عمل کی طرف بھی توجہ دلائی ہو بندہ کو اس نعمت (دیدارِ حق) کا مستحق ہونے میں خاص اثر رکھتا ہے، یعنی فجر و عصر کی نمازوں کا خصوصیت سے ایسا اہتمام، کہ کوئی مشغولیت اور کوئی دلچسپی ان نمازوں کے وقت میں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے، اگرچہ فرض تو پانچوں نمازیں ہیں، لیکن نصوصِ کتاب و سنت کی ... معلوم ہوتا ہے کہ ان دو نمازوں کو خاص اہمیت اور فضیلت حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ نے قرآنی آیت "وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها" پڑھ کر ان دو نمازوں ہی کی اسی خصوصیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

۱۲۸) **عَنْ أَبِي رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَكُلُّنَا يَرَى رَبَّهُ مُخْلِيًا بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ بَلٰى قُلْتُ وَمَا آيَةُ ذٰلِكَ؟ قَالَ يَا أَبَا رَزِيْنٍ أَلَيْسَ كُلُّكُمْ يَرَى الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ مُخْلِيًا بِهِ قَالَ بَلٰى قَالَ فَإِنَّمَا هُوَ خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَجَلُّ وَأَعْظَمُ.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ — ابو رزین عقیلی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا قیامت میں ہم میں سے ہر ایک اپنے رب کو اکیلا (بغیر بھیڑ بھاڑ اور کشمکش کے) دیکھ سکے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھ سکے گا، میں نے عرض کیا اور کیا اس کی کوئی نشانی اور مثال (ہماری اس دنیا میں بھی ہے) آپ نے فرمایا اے ابو رزین! کیا چودھویں رات کو تم میں سے ہر ایک چاند کو بجائے خود اور اکیلا بغیر بھیڑ بھاڑ کے نہیں دیکھتا؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں بے شک چاند کو تو ہم سب ہی اسی طرح دیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو اللہ کی مخلوق ہے، اور اللہ تو بڑی جلالت والا اور نہایت عظمت والا ہے (پھر اس کے لئے کیا چیز مشکل ہے)۔ (ابو داؤد)

اللهم انا نسألك لذة النظر الى وجهك والشوق الى لقائك

دوزخ اور اس کا عذاب

جس طرح جنت کے متعلق قرآن پاک کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اعلیٰ درجے کی ایسی لذتیں اور راحتیں ہیں کہ دنیا کی بڑی سے بڑی لذتوں اور راحتوں کو ان سے کوئی

نسبت نہیں، اور پھر وہ سب ابدی اور غیر فانی ہیں، اسی طرح دوزخ کے متعلق قرآن و حدیث میں جو کچھ بتلایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایسی تکلیفیں اور ایسے دکھ ہیں کہ دنیا کے بڑے سے بڑے دکھوں اور بڑی سے بڑی تکلیفوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے الفاظ سے جنت کے عیش و راحت اور دوزخ کے دکھ اور عذاب کا جو تصور اور جو نقش ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے وہ بھی اصل حقیقت سے بہت ناقص اور کمتر ہے، اور یہ اسلئے کہ ہماری زبان کے سارے الفاظ ہماری اسی دنیا کی چیزوں کے لئے وضع کئے گئے ہیں، مثلاً سیب یا انگور کے لفظوں سے ہمارا ذہن بس اسی قسم کے سیبوں یا انگوروں کی طرف جا سکتا ہے جن کو ہم نے دیکھا اور چکھا ہے ہم جنت کے ان سیبوں اور انگوروں کی اصل حقیقت اور کیفیت کا تصور کیسے کر سکتے ہیں، جو اپنی خوبیوں میں یہاں کے سیبوں اور انگوروں سے ہزاروں درجہ زیادہ ترقی یافتہ ہوں گے، اور جن کا کوئی نمونہ ہم نے یہاں نہیں دیکھا۔ اسی طرح مثلاً سانپ اور بچھو کے لفظ سے ہمارا ذہن اسی قسم کے سانپوں اور بچھوؤں کی طرف جا سکتا ہے جو ہم نے اس دنیا میں دیکھے ہیں، دوزخ کے ان سانپوں اور بچھوؤں کا پورا نقشہ ہمارے ذہنوں میں کیسے آ سکتا ہے جو اپنی جسامت اور خوفناکی اور زہریلے پن میں یہاں کے ان سانپوں اور بچھوؤں سے ہزاروں درجہ بڑھے ہوئے ہوں گے، اور جن کی ہم نے ان کی تصویر تک نہیں دیکھی ہے۔

بہر حال قرآن و حدیث کے الفاظ سے بھی جنت و دوزخ کی چیزوں کی اصل کیفیت، اور اصل حقیقت کو ہم یہاں پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے، بس وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگا، کہ جنت کے عیش و راحت کے بارے میں جو کچھ ہم نے جانا اور سمجھا تھا، ہمارا وہ علم بڑا ہی ناقص تھا، اور جنت تو اس سے ہزاروں درجہ عیش و راحت ہے، اور دوزخ کے دکھ اور عذاب کے بارہ میں جو کچھ ہم نے سمجھا تھا اصل حقیقت کے مقابلے میں وہ بھی بہت ہی ناقص تھا، اور یہاں تو ہمارے سمجھے ہوئے سے ہزاروں گنا زیادہ دکھ اور عذاب ہے۔

اور جیسا کہ اس سے پہلے جنت کے بیان میں بتلایا جا چکا ہے، دوزخ اور جنت کے متعلق جو کچھ قرآن و حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے اس کا یہ مقصد ہے ہی نہیں کہ جو کچھ وہاں پیش آنے والا ہے، اسکو ہم یہاں پوری طرح سمجھ لیں اور جان لیں، اور وہاں کے حالات کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے آ جائے، بلکہ اس بیان کا اصل مقصد تبشیر اور انذار ہے، یعنی جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف دلا کر اللہ کی رضا والی اور دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے والی زندگی پر اللہ کے بندوں کو آمادہ کرنا، اور اس مقصد کے لئے جنت و دوزخ سے متعلق قرآن و حدیث کا یہ بیان بالکل کافی ہے، پس اس سلسلے کی آیات و احادیث پر غور کرتے وقت ہمیں اسی خاص مقصد کو سامنے رکھنا چاہئے۔

۱۲۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَسِتِّيْنَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا.

(رواه البخاري ومسلم واللفظ للبخاري)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری اس دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کے ستر

کے صرف ٹخنوں تک پہنچے گی، اور کچھ لوگوں پر عذاب اس سے زیادہ ہوگا، اور آگ ان کے زانوؤں تک پہنچے گی، اور کچھ لوگوں پر اس سے بھی زیادہ ہوگا، اور آگ ان کی کمر تک پہنچا کرے گی، اور کچھ لوگ ان سے بھی سخت تر اور بدتر حالت میں رہیں گے اور آگ ان کی گردن تک پہنچے گی۔ (اللهم احفظنا)

۱۳۳) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ فِی النَّارِ حَیَّاتٍ کَاَمْثَالِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ اِحْدٰهُنَّ اللَّسْعَةَ فَیَجِدُ حُمْوَتَهَا اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا وَاِنَّ فِی النَّارِ عَقَارِبَ کَاَمْثَالِ الْبِغَالِ الْمُوْکَفَةِ تَلْسَعُ اِحْدٰهُنَّ اللَّسْعَةَ فَیَجِدُ حُمْوَتَهَا اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا۔ (رواہ احمد)

[illegible] عبداللہ بن الحارث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: جہنم میں سانپ ہیں، جو اپنی جسامت میں بختی اونٹوں کے برابر ہیں (جو عرب میں عام اونٹوں سے بھی بڑے ہوتے ہیں) اور وہ اس قدر زہریلے ہیں کہ ان میں کا کوئی سانپ جس دوزخی کو ایک دفعہ ڈسے گا، تو چالیس سال کی مدت تک وہ اسکے زہر کا اثر پائے گا (اور تڑپے گا) اور اسی طرح دوزخ میں بچھو ہیں، جو (اپنی جسامت میں) پالان بندھے خچروں کی مانند ہیں (وہ بھی ایسے ہی زہریلے ہیں کہ) ان میں سے کوئی کسی دوزخی کو ایک دفعہ ڈنک مارے گا، تو چالیس سال تک وہ اسکے زہر کی تکلیف پائے گا۔ ([illegible])

۱۳۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَوْ اَنَّ دَلْوًا مِنْ غَسَّاقٍ یُهْرَاقُ فِی الدُّنْیَا لَاَنْتَنَ اَهْلَ الدُّنْیَا۔ (رواہ الترمذی)

[illegible] ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: "غساق (یعنی وہ سڑی ہوئی پیپ جو جہنمیوں کے زخموں سے نکلے گی اور جس کے متعلق قرآن مجید میں بتلایا گیا ہے کہ وہی انتہائی بھوک میں ان کی غذا ہوگی، وہ اس قدر بدبودار ہوگی کہ) اگر اس کا ایک ڈول اس دنیا پر بہا دیا جائے، تو ساری دنیا (اس کی سڑاہند سے) بدبودار ہو جائے۔ ([illegible])

۱۳۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَرَءَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ " اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ " قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَوْ اَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّوْمِ قُطِرَتْ فِیْ دَارِ الدُّنْیَا لَاَفْسَدَتْ عَلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ مَعَایِشَهُمْ فَکَیْفَ بِمَنْ یَکُوْنُ طَعَامَهٗ۔ (رواہ الترمذی)

[illegible] عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اتقوا اللہ حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون" (آل عمران: ۱۰۲) (اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور فیصلہ کرلو کہ ہرگز نہ مروگے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم (اللہ کے فرمانبردار بندے) ہوگے) (اور اللہ سے اسکے عذاب سے ڈرنے کے سلسلے میں) آپ نے بیان فرمایا کہ "زقوم" (جس کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ وہ جہنم میں پیدا ہونے والا ایک درخت ہے، اور وہ دوزخیوں کی خوراک بنے گا) اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے، تو زمین پر رہنے والوں کے سارے سامان زندگی کو خراب کردے، پس کیا گزرے گی اس شخص پر جس کا کھانا وہی زقوم ہوگا۔ ([illegible])

مطلب یہ ہے کہ زقوم اس قدر گندی اور زہریلی چیز ہے، کہ اگر اس کا ایک قطرہ ہماری اس دنیا میں ٹپک جائے تو یہاں کی تمام چیزیں اس کی بدبو اور گندگی اور زہریلے پن سے متاثر ہو جائیں، اور ہمارے کھانے پینے کی ساری چیزیں خراب ہو جائیں، پس سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ زقوم جس کو کھانا پڑے گا اس پر کیا گزرے گی۔

۱۳۶) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ ابْكُوْا فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِيْعُوْا فَتَبَاكُوْا فَاِنَّ اَهْلَ النَّارِ يَبْكُوْنَ فِي النَّارِ حَتّٰى تَسِيْلَ دُمُوْعُهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ كَاَنَّهَا جَدَاوِلُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الدُّمُوْعُ فَتَسِيْلُ الدِّمَاءُ فَتُقَرَّحُ الْعُيُوْنُ فَلَوْ اَنَّ سُفُنًا اُزْجِيَتْ فِيْهَا لَجَرَتْ. (رواه البغوي في شرح السنة)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے ایک خطاب میں) فرمایا کہ: اے لوگو (اللہ اور اسکے عذاب کے خوف سے) خوب روؤ، اور اگر تم یہ نہ کر سکو، یعنی اگر حقیقی گریہ کی کیفیت تم پر طاری نہ ہو (کیونکہ وہ کوئی اختیاری چیز نہیں ہے کہ آدمی جب چاہے اس کو اپنے اندر پیدا کر سکے) تو پھر (اللہ کے قہر اور اسکے عذاب کا خیال کر کے) تکلف سے روؤ، اور رونے کی شکل بناؤ، کیونکہ دوزخی دوزخ میں اتنا روئیں گے کہ ان کے چہروں پر ان کے آنسو ایسے بہیں گے، کہ گویا وہ (بہتی ہوئی) نالیاں ہیں، یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے، اور پھر (آنسوؤں کی جگہ) خون بہے گا اور پھر (اس خون بہنے سے) آنکھوں میں زخم پڑ جائیں گے (اور پھر ان زخموں سے اور زیادہ خون جاری ہوگا، اور ان دوزخیوں کے ان آنسوؤں اور خونوں کی مجموعی مقدار اتنی ہوگی کہ اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو خوب چلیں۔

مطلب و مقصد یہ ہے کہ دوزخ میں اتنا دکھ اور ایسا عذاب ہوگا، کہ آنکھیں آنسوؤں کا ذخیرہ ختم کر کے خون روئیں گی، اور اس مسلسل رونے سے ان میں زخم پڑ جائیں گے، پس وہاں کے اس دکھ اور عذاب سے، اور آنسوؤں کا اور خون کا دریا بہانے والے اس رونے سے بچنے کے لئے آدمیوں کو چاہئے کہ وہ یہاں اپنے اندر خدا کا خوف پیدا کریں، اور روئیں، دوسری ایک حدیث میں ہے کہ "لا يلج النار رجل بكى من خشية الله حتى يعود اللبن في الضرع"[1] (یعنی جو یہاں اللہ کے خوف سے روئے گا، وہ ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا) بہر حال اللہ کے خوف سے رونا اور اگر رونا نہ آئے، تو رونے کی صورت ہی بنانا اللہ کے رحم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا خاص ذریعہ ہے، اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والے خاص اعمال میں سے ہے۔

۱۳۷) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ فَمَا زَالَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى لَوْ كَانَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا سَمِعَهُ اَهْلُ السُّوْقِ وَحَتّٰى سَقَطَتْ خَمِيْصَةٌ كَانَتْ عَلَيْهِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ. (رواه الدارمي)

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ (اپنے ایک خطاب میں) فرماتے تھے: میں نے تمہیں آتش دوزخ سے خبردار کر دیا ہے، میں نے تمہیں دوزخ کے عذاب سے آگاہ

[1] رواہ الترمذی والنسائی عن ابی ہریرۃ۔

جا کر اس کو اور اس کے گرد شہوات و لذات کی جو باڑ لگائی گئی تھی اس کو دیکھا اور آکر عرض کیا خداوندا! آپ کی عزت و جلال کی قسم اب تو مجھے یہ ڈر ہے کہ سب انسان اسی میں نہ پہنچ جائیں (مطلب یہ ہے کہ جن شہوات و لذات سے آپ نے جہنم کو گھیر دیا ہے ان میں نفس رکھنے والے انسانوں کیلئے اتنی زبردست کشش ہے کہ ان سے رکنا بہت مشکل ہے اور اسلئے خطرہ ہے کہ ساری کی ساری اولاد آدم نفسانی لذات و شہوات کی کشش سے مغلوب ہو کر دوزخ ہی میں نہ پہنچ جائے)۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

تشریح ــــ حدیث کا اصل مقصد اور اس میں ہمارے لئے خاص سبق یہ ہے کہ نفسانی خواہشات جو بظاہر بڑی لذیذ اور بڑی مرغوب ہیں۔ ہم جان لیں کہ ان کا انجام دوزخ کا دردناک عذاب ہے، جس کا ایک لمحہ زندگی بھر کے عیشوں کو بھلا دے گا، اور احکام الٰہی کی پابندی والی زندگی جس میں ہمارے نفسوں کو گرانی اور تلخی محسوس ہوتی ہے اس کا انجام اور منتہیٰ جنت ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عیش و راحت کے وہ سامان ہیں جن کی دنیا کے کسی انسان کو ہوا بھی نہیں لگی ہے۔

۱۴۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا رَأَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا. (رواہ الترمذی)

ترجمہ ــــ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے نہیں دیکھی دوزخ کی طرح کی کوئی خوفناک بلا کہ سوتا ہو اس سے بھاگنے والا، اور نہیں دیکھی میں نے جنت کی طرح کی کوئی مرغوب و محبوب چیز کہ سوتا ہو اس کا چاہنے والا۔ (رواہ الترمذی)

تشریح ــــ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی بلا سے مثلاً اپنی طرف آنے والے کسی خوفناک درندے سے یا پیچھا کرنے والے کسی سخت ظالم اور طاقتور دشمن سے جان بچانے کیلئے بھاگتا ہے، تو بس بھاگا ہی چلا جاتا ہے، اور جب تک کہ اطمینان نہ ہو جائے، نہ سوتا ہے اور نہ آرام کرتا ہے، اسی طرح جب کسی انتہائی محبوب و مرغوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرتا ہے تو اسکی دھن میں نہ تو سوتا ہے، نہ چین سے بیٹھتا ہے۔ لیکن دوزخ اور جنت کے بارے میں انسانوں کا عجب حال ہے، دوزخ سے بڑھ کر کوئی خوفناک بلا نہیں، مگر جن کو اس سے بچنے کے لئے بھاگنا چاہیے، وہ غفلت کی نیند سوتے ہیں اور جنت جس کے حاصل کرنے کیلئے دل و جان سے جد و جہد کرنا چاہیئے اس کے چاہنے والے بھی محو خواب ہیں۔

پڑے غفلت کے پڑ گئے ہیں، بلا کی نیندیں امنڈ رہی ہیں ‏ ‏ ‏ ‏ بھلا ایسے بھی سوتے ہیں سونے والے، کہ حشر تک جاگنا قسم ہے

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پہلی جلد ختم ہوئی۔

فالحمدللّٰہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصٰلحٰت

اللہ تعالیٰ باقی جلدوں کی بھی تکمیل اور اشاعت کی توفیق دے

بندہ ناچیز ـــ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ